برہان

مدیر مسئول: عمید الرحمٰن عثمانی

جلد ۹۶	ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۵ء	شمارہ ۶

عمید الرحمٰن عثمانی پرنٹر پبلشر نے اعلیٰ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر برہان اردو بازار دہلی سے شائع کیا۔

ایک بے یقینی اور شورشوں سے بھرپور فضا میں جب ہمارے نئے وزیر اعظم راجیو گاندھی نے ملک کی قیادت کی ذمہ داری سنبھال کر، قوم سے امن و امان قائم رکھنے کی اپیل کے ساتھ پنجاب اور آسام جیسے پرانے پیچیدہ اور خوفناک مسائل کو حل کرنے کا عہد کیا تھا تو بہت کم لوگوں کو توقع تھی کہ وہ ان زبردست مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے جن کے اندر ماہ و سال کی گردشوں کے دوران کتنی ہی پیچیدگیوں نے شامل ہو کر، انھیں اور زیادہ دانش طلب اور بحرانی مسائل میں تبدیل کر دیا تھا لیکن ۱۹۸۴ء کے پارلیمانی الیکشن میں غیر معمولی اکثریت کے ساتھ کامیاب ہو کر (جسے بجا طور پر مسز گاندھی کے مظلومانہ اور بیدردانہ قتل کا ملک گیر ردِ عمل قرار دیا گیا تھا) انھوں نے جس تیزی کے ساتھ بڑے مسائل کو حل کرنے کی جد و جہد شروع کی، اور جس حیرت انگیز طریقہ سے وہ پنجاب اور آسام کے مسائل کو حل کرنے اور گجرات کی شورش کو ختم کرنے میں کامیاب ہوئے، اس کی بدولت نہ صرف ہندوستان بلکہ ساری دنیا کے لوگوں کو ان کی اہلیتوں اور خداداد صلاحیتوں کا دل کھول کر اعتراف کرنا پڑا، اور ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ان کی ذات اور ان کی شخصیت کے ساتھ مستقبل کی نئی امیدیں وابستہ کی جانے لگیں۔ اور انھیں ایک ایسا ابھرتا ہوا لیڈر تسلیم کرنے کا رجحان ساری دنیا میں عام ہونے لگا، جو اپنے ملک کے علاوہ عالمی امن، اور بین الاقوامی سیاست میں بھی اہم کردار ادا کرنے کی پوری اہلیت رکھتا ہے۔

وزیرِ اعظم راجیو گاندھی نے اپنے ایک سالہ عہدِ اقتدار میں جن تین مسائل کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے، وہ ہیں، ہندوستان کی صنعتی اور تعلیمی جدید کاری پرانے تعلیمی نظام کی جگہ نئے اصلاحی اور روزگار سے وابستہ نظام تعلیم کی ترویج اور جمہوری اصولوں کے پورے احترام کے ساتھ صاف ستھرے انتظامیہ کی تشکیل۔

ہر کہ آمد عمارت نو ساخت

کے پرانے اصول کے مطابق انھوں نے اقتدار سنبھالنے کے ساتھ ہی اپنے طرزِ حکومت کو پرانے حکومتی طرز سے الگ اور منفرد بنانے کی کوشش کا آغاز کر دیا تھا، اور اس سلسلے میں انھوں نے متحدہ قومیت اور رنگارنگ تہذیب کے اس پرانے موقف اور نظریہ کو نئے سرے سے پروان چڑھانے کا تاثر اول روز سے دینا شروع کیا تھا جس کی بدولت آزادی کے پہلے کی سیاست اور آزادی کی جدوجہد میں وہ آب و تاب اور قوت پیدا ہوئی تھی جس نے دنیا کی سب سے زیادہ وسیع اور طاقتور برطانوی حکومت کو ہندوستانی قومیت کے سامنے بالآخر جھکنے اور اپنی شکست تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن جو ایک طویل مدت کی غفلت اور لاپروائی کی بدولت اس حد تک گرد آلود بلکہ روپوش ہونے کے قریب پہنچ گیا تھا کہ اس کی موجودگی کا احساس تک سماج اور حکومت کے دائرہ فکر و عمل سے خارج ہو چکا تھا۔

راجیو گاندھی نے منصبِ اقتدار پر آتے ہی، فرقہ وارانہ ہم آہنگی ملی جلی تہذیب کے فروغ، ملک کی جدید کاری کے لئے روشن خیالی کی ضرورت، اور ہندوستان کو اکیسویں صدی کی دنیا کے جدید سائنسی دور کے دوش بدوش چلانے کی خواہش پر جس طرح زور دینا شروع کیا تھا اور نصاب تعلیم سے متحدہ قومیت کے نظریہ کو کمزور کرنے والے عناصر کو خارج کرنے کی جیسی تاکید شروع کی تھی اس کی بدولت جہاں پورے ہندوستان میں جوش و خروش کی ایک نئی فضا پیدا ہوئی وہاں اقلیتوں کے دلوں میں بھی نئی امیدوں کے چراغ روشن ہوئے، اور انھیں توقع پیدا ہوئی کہ وہ ہندوستانی سماج

اپنے کھوئے ہوئے باعزت مقام کو نئے قومی لیڈر کی قیادت کے تحفے کے طور پر حاصل کرلیں گی۔
اور انھیں بھی آزادی کے ۳۸ برسوں کے بعد پہلی بار کھلی ہوا میں سانس لینے کا موقع مل سکے گا اور
جارحانہ تعصب، امتیازی سلوک آئے دن کے خونریز فرقہ وارانہ فسادات، سماجی بے انصافی"
اور استحصال کے اس اعصاب شکن دباؤ سے نجات ملے گی جس نے کروڑوں انسانوں پر مشتمل ایک
فرقہ ـــــ بلکہ ہندوستان کی دوسری بڑی اکثریت کی زندگی کو بے کیف اور غمگین بنا کر رکھ دیا ہے۔
لیکن اسی ایک برس میں جو مسلمانوں کے لئے نئی امیدوں اور نئی توقعات کا پیغام لے کر آیا تھا، قرآن
کو خلافِ قانون قرار دینے کے لئے عدالتی چارہ جوئی، مسلم پرسنل لار کے بارے میں سپریم
کورٹ کے فیصلے، اور رام ورکشن جنم بھومی کو آزاد کرانے کی تحریک کے اجیار کی صورت میں
ایسے واقعات پیش آئے جنھوں نے اقلیت کے دلوں میں پیدا ہونے والی امنگ اور توقعات
کی کلیوں کو کھلنے سے پہلے مرجھا دینے کے اسباب پیدا کر دئے بلکہ ـ واقعہ یہ ہے کہ پہلے
سے بھی زیادہ خوف، تشویش اور اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ مستقبل میں
ان کی تشویش و اضطراب کی یہ صورت ختم ہوگی یا کوئی ایسی خوفناک صورت اختیار کرے گی جو ملک
اور قوم کے لئے ناخوشگواری اور بدنصیبی کا ایک نیا دور پیدا کرنے کی محرک بن جائے گی۔

ہمیں نہیں معلوم کہ ہمارے نوجوان وزیر اعظم کو اس ملک گیر اضطراب اور اس ہمہ گیر صدمہ
کی شدت اور اس ناقابلِ برداشت اذیت کا پورا احساس ہے یا نہیں جس نے مسلم پرسنل لار
کے مسئلہ پر مسلمانوں کو اجتماعی طور پر اس طرح دہلا کر رکھ دیا ہے کہ وہ اپنی بے حسی اور مایوسی کے
خول کو توڑ کر اپنے غم وغصہ اور درد واذیت کے اظہار کے لئے بے محابا سڑکوں پر نکل آئے ہیں،
اور مسلم پرسنل لار کے تحفظ اور مذہبی آزادی کے دستوری حق کی پاسداری کے لئے ان کی حکومت سے
ایسی یقین دہانی کا مطالبہ کر رہے ہیں جو فی الواقعہ ان کے ذہن ودماغ سے اس بے اطمینانی اور
تشویش کو پورے طور پر ختم کر سکے جس نے مسلسل دل آزار واقعات سے بجا طور پر ان کے ذہن دماغ

کو پراگندہ اور پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ وزیر اعظم راجیو گاندھی، ہندوستان کی جدید کاری اور صنعتی ترقی کے لئے ساز گار ماحول بنانے کے اس پروگرام کو یکسر بے معنی اور ناکام بنانے والے ان حرکات پر غور کریں اور اس صورتِ حال کو سنبھالنے کی طرف فوری توجہ کریں، جو تیزی کے ساتھ سنگین اور خطرناک بنتی جارہی ہے۔ انھیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ آٹھ دس کروڑ انسانوں پر مشتمل مسلمانوں کی آبادی اگر اپنے مذہب اور اپنے عقائد کو فی الواقعہ خطرے میں سمجھ کر، مایوسی کے عالم میں گرفتار ہو جائے تو اس کے نتائج کتنے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ اور ایک ایسے ملک میں، جہاں خود ان کے بقول، مذہب، سماجی اور معاشرتی زندگی کا غالب عنصر ہے، مذہبی آزادی کے مسدود اور ہر فرقہ اور ہر کمیونٹی کے تحفظ کی دستوری ضمانت کے منسوخ ہونے کا تصور کس طرح کے اثرات پیدا کر سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں نہ تو اس دعوے کو دہرانے اور اس کا ثبوت دینے کی ضرورت ہے کہ مسجدوں اور عبادت گاہوں پر جبری قبضہ کی مہم اور رام ورکشن کے نام پر سینکڑوں سال پرانے تنازعہ کو تازہ کرنے کی کوشش کے سامنے ہندوستان کو اکیسویں صدی میں لے جانے کے بجائے، ہزاروں سال پیچھے کو ٹا دینے کا کھلا مقصد ہے، اور مسلم سماج کو نئے تقاضوں اور نئے زمانہ کا ہم آہنگ بنانے کی خواہش کے تحت مسلم پرسنل لا میں ترمیم کے اقدامات، دستور ہند کی تحفظاتی دفعات اور جمہوری نظام کے بنیادی اصولوں کی کھلی خلاف ورزی کے سوا کسی دوسرے نام سے یاد نہیں کئے جا سکتے۔ سب سے بڑی اور بنیادی حقیقت جس کو دل آزار طریقہ سے نظر انداز کیا جا رہا ہے، وہ یہ ہے کہ سماج کے کسی طبقے، اور قومیت کے کسی حصے، اور کثیر القومیتی ملک کے کسی فرقہ پر اصلاحات بزورِ شمشیر مسلط نہیں کی جا سکتیں، نہ ہی قانون اور حکومت کی قوت اور جبر کے ذریعہ اسے اس کی مرضی کے خلاف راستے پر چلنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ ہماری طرح وزیر اعظم راجیو گاندھی بھی نہ چاہیں گے کہ مسلمانوں میں نئے بھنڈراں والے پیدا ہوں اور ایک ایسی قوم کو جو اپنے مذہب کے ساتھ پورے طور پر وابستہ رہ کر پُرامن زندگی گذارنا چاہتی ہے، مکمل مایوسی اور ذہنی پریشانی کی ایسی حالت کی طرف دھکیل کر پہنچایا جائے کہ وہ ہیجان اور اشتعال کے جذبات سے بے قابو ہو کر چل پڑنے پر مجبور ہو جائے، اور کسی ملک اور قوم کے لئے یہ بات قابلِ فخر اور قابلِ اطمینان نہیں ہو سکتی کہ پوری قوم تو اکیسویں صدی کی سائنٹفک اور صنعتی ترقی کی روشنی کی طرف گامزن ہو اور قوم کے ایک حصے کو گیارہویں اور بارہویں صدی کے اندھیروں کی طرف ہانکنے کی کھلی مہم ترقی پسندی اور اصلاح کے نام پر عدالتوں اور سیاسی تحریکوں کے ذریعہ چلائی جائے۔ اس سلسلہ میں تاریخ کے اس سبق کو یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس طرح کی کوششیں کامیاب تو کبھی نہیں ہوئیں، تباہیوں کی طرف قوموں کو لے جانے کا سبب ہمیشہ بنتی رہی ہیں۔

اطباءِ قدیم اور نظریۂ جراثیم

اثبات و ابطال

حکیم رضیانت اللہ۔ امروہہ

دورِ جدید کے کتنے ہی نظریات ایسے ہیں کہ وہ ماقبل محقق ہیں مگر انھیں جدید تحقیق باور کرایا جاتا ہے۔ انھیں میں سے ایک نظریۂ جراثیم بھی ہے۔ ماڈرن سائنس کا یہ نظریہ اب جدید طریقۂ علاج کا جزولاینفک بن چکا ہے حتیٰ کہ زبانِ زدِ خلائق عام و خاص بھی ہے۔ جدید معالجانہ طریقۂ کار میں اس سے صرفِ نظر کرنا گویا علاج کی ناکامی کا اعتراف کرنا ہے۔

مسئلہ کی اہمیت کے پیشِ نظر دورِ جدید کے یونانی اطباء اور مفکرین و محققین کے لئے بھی یہ مسئلہ لائقِ توجہ بنا۔ ان جدید مفکرین نے جب اپنے خزینۃ العلم کا در کھولا تو جابجا منتشر حالت میں انھیں یہ سرمایۂ تحقیق ملا۔ اس لئے ان حضرات نے بھی تطبیقاً اس نظریہ پر اپنی مہرِ تحقیق و تصدیق ثبت کردی۔ لیکن متقدمین کی رہنمایانہ نشاندہی کے باوجود مسئلہ کے ان گوشوں کو درخورِ اعتنا نہ بنایا جو بہر صورت محتاجِ توجہ تھے۔ اس لئے یہ مسئلہ بعض اعتبارات سے آج بھی مسلّم الثبوت ہوتے ہوئے دعوتِ تحقیق و نظر دے رہا ہے۔

مقامِ فکر یہ ہے کہ جب یہ مسئلہ اطباءِ قدیم کے لئے بھی حقیقتِ ثابتہ تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ انھوں نے اسے نظری حیثیت سے تو موضوعِ بحث بنایا لیکن جزوِ عملی میں اسے وہ مقام نہ دیا جو عملیات

یں جاری وساری ہے۔ اگر ان کی تحقیق بھی عملی حیثیت سے آج کی تحقیق کے مطابق تھی تو اصول وطریقہ علاج میں یکسانیت کیوں نہیں؟ اس لئے مزید تحقیق کے بجائے صرف تطبیق سے کام لینا عملی وفنی تقاضو کو پورا نہیں کرتا یہ حق جب ہی پورا ہو سکتا ہے جبکہ ما بہ الاشتراک کے ساتھ ما بہ الامتیاز پر بھی غور کیا جائے۔

متقدمین جراثیم سے نہ صرف واقف تھے بلکہ ان کی کنہ وحقیقت پر بھی نظر رکھتے تھے۔ انھوں نے بطور کلیہ وجنس تمام جاندار مخلوقات کو حیوانات کہہ کر چار نسلوں میں تقسیم کیا ہے اور مندرجہ کلیہ میں جرس و وائرس بھی محصور ہیں مثلاً

ان تولد الحیوانات علیٰ اربعۃ اضناف ارحامی مثل الناس وغیرہم بیضی مثل الطیر والسمک، نبتی وارضی مثل الذراریح ودیدان الارض۔ اوساخی یتولد من اوساخ البدن مثل القمل والصیبان فردوس الحکمت صد ۵۶

حیوانات کی تولید وپیدائش کی چار اقسام ہیں۔ رحمی جیسے انسان وغیرہ۔ انڈے کے ذریعہ سے جیسے پرند ومچھلی۔ نباتی وزمینی جیسے ذراریح اور زمین کے دیگر کیڑے اوساخی جو جسم کے میل کچیل سے پیدا ہوتے ہیں جیسے جوئیں اور لیکھیں۔

چونکہ طب کا موضوع جسم انسانی ہے اس لئے اس موضوع کے تحت ان مولدات کے لئے غیر طبعی اخلاط، فضلات و مواد اور ان کی طبع واستحالات سے بھی بحث کی گئی۔ اس طبع وامتزاج واستحالات کے نتائج میں ان مولدات کو قوت مصورہ نے بمناسبت طبیعت، و مادہ جو صورت عطا کی بعد نظر اس کی نشاندہی بھی کی اور یہ بھی رہبری کی کہ جس طرح جسم کے اندر ان فضلات و مواد میں ایک مخصوص امتزاج کے بعد جو مولدات نمودار ہوتے ہیں اسی طرح زمین میں بھی مختلف طبائع واشکال وصور حشرات پیدا ہوتے ہیں اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے پہلے ایک اصول متعین کیا گیا کہ

واعلم ان کل خلط یجتمع فی بدن خلط کیفیۃ وامتزاج۔ الخ

جاننا چاہیئے کہ جو خلط جسم میں مجتمع ہوتی ہے اس کے لئے ایک امتزاج وکیفیت

ہوا کرتی ہے۔

اس کے بعد تفصیلاً کہا تاکہ اس سے تکوین و تولید کا مسئلہ واضح ہو جائے۔

وحتیٰ کان فی ذالک الخلط امتزاج ونضج یمکن ان یکون عنہ وکونت من الحیوان علیٰ حسب ما یمکن لان القوۃ المصورہ لا یضیع جوہرا یمکن ان یتصور منہ حیوانا بل یصورہ بحسب طبیعۃ ثم بحسب الحادۃ وامتزاجہ۔ ومثال ذالک ما یتولد فی البدن مثل ما یتولد فی الارض من الحشرات المختلفۃ فی الصور والطبائع وانما اختلفت بحسب المواد والطبائع۔

معالجات بقراطیہ (مخطوطہ) ص ۱۷۴

جب اس خلط میں امتزاج و نضج ہوتا ہے تو اس سے حیوان کی تکوین ممکن ہے اور یہ حیوانی پیدائش حسب امکان ہوا کرتی ہے کیونکہ قوتِ مصورہ کسی جوہر کو اس طرح نہیں چھوڑتی کہ وہ کوئی بھی ممکنہ حیوانی صورت اختیار کرلے بلکہ اس کو طبیعت و مادہ و امتزاج کے مطابق صورت عطا کرتی ہے اس کی مثال اس طرح ہے کہ جس طرح یہ جسم کے اندر پیدا ہوتے ہیں اسی طرح زمین میں بھی مختلف صورتوں اور طبیعتوں کے حشرات پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ اختلاف مواد و طبائع کے مطابق ہی ہوا کرتا ہے۔

اس تولید و تکوین کو بعض حیوانات کو مختص کرتے ہوئے مادۂ تولید و سببِ تکوین کی بایں طور وضاحت کی :-

فی القمل والقمقام التی تحدث فی الراس ۔ وھذا العلۃ قدیم جمیع البدن فاذا اختص بہا الراس دل علیٰ ان الاخلاط الموجبۃ لذالک اختص بہا الراس ترقب الیہ بالبخارات وسکنت تحت الجلد وھی رطوبات غیر نضیجۃ تستحق اقل فلا یتحلل ولا تنفذ عن الجلد فیعفن و تحدث فیہ العفونۃ فان کانت الکیفیۃ حریفۃ تحنث الرطوبۃ وغنت اکثر من الاول فینفذ عن المسام نفوذا مع بقاء اواخرہا تحت الجلد

فیحدث الجرب المعروف بالدودی وھو الذی یکون فیہ حیوان شبیہۃ بالصیبان والسبب فی تولد ذالک الخلط قد عفونت وقد تتولد فیہ الدود کما یتولد فی الشیٔ اذا سخن وعفن

معالجات بقراطیہ (مخطوطہ) ص۱۸

جوں اور جم جوں سر میں پیدا ہو جاتی ہے اور یہ علت کبھی تمام جسم میں عام بھی ہو جاتی ہے لیکن جب سر ہی کے ساتھ مختص ہو جائے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اخلاط جو اس کے موجب ہیں وہ سر ہی کے ساتھ مختص ہیں وہ بخارات کے ساتھ سر کی طرف چڑھ جاتے ہوں جلد کے نیچے ٹھہر جاتے ہیں اور یہ ناپختہ رطوبات ہوتی ہیں جو کم گرم ہو سکیں اور تحلیل نہ ہوئیں اور نہ جلد سے نفوذ کر سکیں اور اس میں عفونت پیدا ہو گئی اگر اس میں کیفیت حریفہ ہو تو رطوبت پہلے کے مقابلہ میں زیادہ گرم ہو کر مسامات سے نفوذ کر جاتی ہے بلکہ کچھ آخری حصہ تحت الجلد باقی رہ جاتا ہے اسی وجہ سے وہ کھجلی پیدا ہو جاتی ہے جو جرب دودیہ کے نام سے مشہور ہے اور یہ وہ ہے جس میں لیکھوں سے مشابہ حیوان پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کا سبب پیدائش فساد و عفونت زدہ خلط ہوتی ہے جس میں کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں جیسا کہ کوئی شے گرم ہو کر سڑ جائے۔

معالجات بقراطیہ ص۸۹

مذکورہ بالا مسئلہ اگرچہ جوں اور جم جوں سے متعلق ایک وضاحت ہے مگر اس سے یہ بھی ثابت کہ جوں ہو یا کوئی جرثومہ اس کا سبب تولید تو قابل عفونت خلط ہوا کرتی ہے خواہ وہ دا[خل] جسم ہو یا بیرون جسم۔

بعض معاصرین کا خیال ہے کہ شیخ کے قول کے مطابق عفونت کے لئے محض حرا[رت] و رطوبت کافی نہیں اور داخل جسم کوئی بھی خلط متعفن نہیں ہو سکتی جب تک کہ بیرونی [...]

خبیثہ کی اس میں رسائی نہ ہو جائے۔ حالانکہ شیخ نے اخلاط کے طبعی اور غیر طبعی ہونے کے بیان میں اس کو غیر مبہم و واضح الفاظ میں صاف کر دیا ہے اور خون کے طبعی کی وضاحت میں کہا ہے کہ

ہو صنفان طبعی وغیر طبعی۔ والطبعی احمر اللون لانتن لہ علو جداً وغیر طبعی قسمان فمنہ التغیر عن المزاج الصالح لاشئی خالطہ ولکن بان سار مزاجہ فی نفسہ قبرد مثلاً اوسخن ومنہ ماانما قد تغیر بان حصل خلط ردی فیہ وذالک قسمان فانہ اما ان یکون الخلط ورد علیہ من خارج فنفذ فیہ وافسدہ واما ان یکون الخلط تولد فی نفسہ مثلاً بان یکون قد عفن بعضہ۔

کتاب القانون جلد اول ص۲۹

دعوی خلط کی دو قسمیں ہیں طبعی اور غیر طبعی۔ طبعی سرخ رنگ جس میں بدبو نہ ہو اور بہت شیریں ہو۔ غیر طبعی کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ اس کا مزاج صالح متغیر ہو جائے۔ مثلاً اس میں ٹھنڈک پیدا ہو جائے یا مثلاً اور گرم ہو جائے۔ دوسری یہ کہ اس میں اس طرح تغیر ہو کہ اس میں خلط ردی شامل ہو کر نفوذ کر جائے اور اس میں فساد پیدا کر دے یا یہ کہ فی نفسہ خلط ہی میں کوئی تغیر لاحق ہو جائے۔ مثلاً یہ کہ اس کا بعض حصہ عفونت اختیار کر لے۔

مذکورۂ بالا شیخ کے بیان سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ خارجی شئے بھی خلط غیر طبعی ردی میں شامل ہو سکتی ہے۔ بکٹریا، جرمس اور وائرس بھی ہو سکتے ہیں اور خود فی نفسہ اس خلط میں تغیر لاحق ہو سکتا ہے لیکن اس داخلی یا خارجی فساد و عفونت کے لئے جسم کا مستعد ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر ابدان اس استعداد سے عاری و خالی ہوں تو نہ عفونت پیدا ہوگی اور نہ خارجی تغیرات سے اجسام منفعل ہوں گے جیسا کہ شیخ نے خود حمّی دبائیہ میں اس کی وضاحت کی ہے نیز صاحب کامل الصناعۃ نے اس کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ مثلاً

ان الامراض الوبائیۃ لیست تحدث لجمیع الناس لکن ماکان منہا حادثاً عن تغیر مزاج الہواء فمن شانہا ان تحدث لمن مزاجہ مشاکل المزاج الہواء فی ذالک الوقت

وما کان منہا حادثا عن تغیر جوہر الہواء فمن شانہ ان یحدث اکثر ذالک بمن کان فی بدنہ اخلاط رویۃ مشاکلۃ الجوہر الہواء الردی لانہا فی ذالک الوقت مستعدۃ بقبول ما یورثہ فیہا تلک العلل والامراض ۔

کامل الصناعہ جلد دوم صـ ۶۳

امراض وبائیہ تمام لوگوں میں پیدا نہیں ہوا کرتے مگر جب ہوا کے مزاج کے کسی تغیر وتبدیلی کی بناء پر اس کا حدوث ہو جائے تو اس وقت یہ ضروری ہے کہ جو شخص اس سے متاثر ہو اس کا مزاج ہوا کے مزاج سے پوری مشابہت رکھے اور جب یہ تغیر جوہر ہوا میں واقع ہو جائے تو یہ ضروری ہے کہ یہ زیادہ تر ان ہی لوگوں میں پیدا ہو جن کے بدن کے اخلاط ردیہ جوہر ہوا کے ردی کے مشاکل ومشابہ ہوں کیونکہ ان حالات میں اجسام ان امراض وعوارض کے قبول کرنے کی استعداد وصلاحیت رکھتے ہیں ۔ الخ

مذکورہ بالا موضوع بحث کے مطابق مذکورہ عبارت سے ایک نکتہ بھی سامنے آیا کہ اس میں محض تغیر مزاج الہواء اور تغیر مزاج البدن نہیں کہا گیا 'مشاکل' کی تعبیر بھی کی گئی جس سے واضح مطلب یہ نکلے گا کہ اگر اس ہوائے ردی میں جراثیم وغیرہ بھی شامل ہوں اور فساد وعفونت کی موجودگی کی وجہ سے اس کے امکانات قویہ موجود بھی ہیں تو یہ جسم میں اسی وقت موثر وحدوث مرض کا باعث ہوں گے جب جسم کا اخلاط ردیہ ان خارجی موثرات کے بالکل ہم شکل صورت ہوں اس مشاکلت، صورت وشکل کی یکسانیت نے جسم میں جراثیم یا اجسام خبیثہ کی پیدائش اور اثر اندازی کے بہت دبیز پردے سامنے سے ہٹا دئے ۔

لیکن یہ تبدیلی یا خارجی فساد، عفونت واستعداد کیا ہے اس کی وضاحت بایں طور کی گئی ہے ۔

وکانت العفونۃ عبارۃ عن احالۃ الحرارۃ للجسم ذی الرطوبۃ الی مخالفۃ الغایۃ

المقصود منہ۔ شرح قرشی (مخطوطہ) صـ۲۰

مرطوب جسم میں مقصود و غایت کے خلاف حرارت کا جسم میں سرایت کرجانے کا نام عفونت ہے۔

عفونت وفساد سے حیوانات کی تولید کس طرح ہوتی ہے اس کی ایک مثال عرق المدنی کے بیان میں بھی ملتی ہے:

فی عرق المدنی ھذا فی الحقیقۃ لیس بعرق وانما ھو حیوان یتولد فی البدن کما یتولد باقی اصناف الدود وتولدہ من مادۃ مائیۃ شدید العفونۃ والفساد اصلح احوالھا بحسب مزاجھا ان تتولد منھا ذالک الحیوان۔

شرح قرشی (مخطوطہ) صـ۲۰

عرق مدنی حقیقت میں رگ وریشہ نہیں ہے وہ تو بدن میں پیدا ہونے والا ایک کیڑا ہے جیسے کیڑوں کی دیگر اقسام ہوتی ہیں۔ اس کی پیدائش ایک مائی مادہ سے ہوتی ہے جس میں شدید عفونت وفساد موجود ہو۔ اس مادہ کے مزاج کے اعتبار سے اسی حیوان کا پیدا ہونا مناسب تھا۔

عرق مدنی کو ابن جزلہ بغدادی نے بھی ایک خاص ہیئت کے ساتھ اسے کیڑے کی طرح تسلیم کیا ہے۔

وعلامتہ شبہہ العرق تحت الجلد تحرک کحرکۃ الدود

تقویم الابدان فی تدبیر الانسان (مخطوطہ صـ۱۹)

اس کی علامت رگ کے مشابہ جلد کے نیچے ایک کیڑے کی طرح حرکت کرتا ہے۔

ایک مخصوص رطوبت میں عفونت کی وجہ سے دانتوں میں بھی کیڑا لگ جاتا ہے جیسے:

کرم دندان سبب آن رطوبتی بود کہ در دندان جمع آید و متعفن گردد و قابل

حیات کرمی شود۔ خلاصۃ التجارب۔ صہ ۳۰۷

دانتوں میں کیڑے کا سبب ایک رطوبت ہوتی ہے کہ جو دانتوں میں جمع و متعفن ہوکر ایک زندہ کیڑے کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔

کان میں بھی کیڑا پیدا ہوجاتا ہے اس کا سبب بھی ایک مخصوص مادہ میں عفونت پیدا ہوجاتا ہے:

و چوں حدوث کرم در گوش از مادہ عفن کہ بگوش ریختہ خواہد باشد۔

خلاصۃ التجارب۔ صہ ۲۷۶

ایک عفونتی مادہ کان میں گر کر کیڑے کی پیدائش کا سبب ہوجاتا ہے۔

حسب مقام و مادہ کس قسم کے کیڑے اور جراثیم پیدا ہوسکتے ہیں یہ بھی مندرجہ ذیل عبارت سے واضح ہے:

اما القمل فانہ شیٔ یشبہ بالقمل فی اصل الاشفار یعرض لمن یکثر الطعمۃ ویقل التعب والحمام۔ کتاب الحاوی جلد دوم صہ ۵

پلکوں میں جوں کی مانند ایک شے پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ ان لوگوں میں ہوتی ہے جو زیادہ کھاتے اور حمام و مشقت کم کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بھی واضح ہوا کہ سر و جسم میں جس قسم کی جوں پیدا ہوتی ہے وہ پلکوں کی پیدا ہونے والی جوں سے مختلف ہوتی ہے اور ایسا اختلاف مواد و فضلات سے ہی ممکن ہے اور یہ فضلات و مواد موقع و محل کے اعتبار سے تمام اجسام میں جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ مثلاً ایک اور جوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ گدھ کی جوں کے مانند کبھی انسانی جسم میں پیدا ہوکر شدید اذیت کا باعث بن جاتی ہے۔ مثلاً

العلۃ الاخری المعروفۃ بقمل النسر وھذا ایضا یعم جمیع البدن غیر انہ اذا حدث فی الراس کان صعبا وسبب منہ ما ذکرنا من اجناس العفونۃ وفسادھا غیر ان

الفساد اذا عم واشتد کان فی الخلط وسومتہ ۔ فان قمل الذی یتولد کبار اً ربما اخرجت القملۃ نصفہا الی خارج الجلد ونصفہا تحت الجلد ثم ہلک علی تلک الحالۃ فتعذب وتیعبہ الانسان ۔ الخ

ایک دوسری بیماری قمل النسر کے نام سے مشہور ہے ۔ یوں تو یہ بیماری تمام جسم میں ہوتی ہے مگر جب سر میں پیدا ہو جائے تو بہت سخت بات ہے ۔ اس کا سبب بھی ہمارے ماقبل ذکر کے مطابق عفونت وفساد ہی کی جنس سے ہے سوائے اس کے کہ یہ فساد عام ہو کر شدت اختیار کر لے یہ دسومتہ والی خلط میں ہوا کرتی ہے اور بڑی شکل میں پیدا ہو جاتی ہے کہ بعض اوقات ، اس جوں کا نصف حصہ جلد کے باہر رہتا ہے ۔ اور نصف جلد کے نیچے اور یہ اُسی حالت میں مر جاتی ہے تو یہ انسان کو بے حد تعب وعذاب میں مبتلا کر دیتی ہے ۔

یہ جوئیں بدن انسان میں پیدا ہو کر کس قسم کے اذیت ناک و ہلاکت خیز حالات پیدا کر دیتی ہیں یہ بھی حسب ذیل عبارت سے ظاہر ہے ۔

ھٰذہ ہامۃ کالقملۃ او کاصغر القردان یصفرہا وقد لا یتوقی منہا وتسمی بالفارسیۃ "زدہ" وہی تفجر الدم من سائر البدن من المسام ومن المقعدۃ والصدر والبول وافواہ المقعدۃ وبالرعاف ومن اصول الاسنان وربما عظم الامر فیہا فلا تقبل الدواء ۔ المختارات ص ۱۸۶

یہ جوئیں چھوٹی سی چھوٹی چیچڑیوں کے مشابہ بہت خطرناک ہوتی ہیں ۔ اور ان سے بچا نہیں جا سکتا ۔ اس کو فارسی میں " زدہ " سے موسوم کرتے ہیں اس میں تمام بدن کے مسامات ، معدہ ، سینہ ، پیشاب ، مقعد ، بذریعہ نکسیر اور دانتوں سے خون پھوٹ پڑتا ہے اور بسا اوقات یہ معاملہ اتنا سنگین ہو جاتا ہے کہ کسی دوا کو قبول نہیں کرتا ۔

عفونت سے کیڑوں اور حیوانات کی پیدائش کی واضح مثال شیخ کے بیان میں بھی موجود ہے جس کا ذکر وبا کی علامت کے بطور کیا گیا ہے۔

وتری الحیوانات المتولدہ من العفونۃ قد کثرت۔

کتاب القانون جلد رابع ص 95

وہ حیوانات جن کی پیدائش عفونت سے ہوتی ہے کثرت سے نظر آئیں گے۔

وبائی دور کی بعینہٖ ترجمانی بعض متاخرین نے بھی اس طرح کی ہے کہ

ہر گاہ کہ بینید کہ حشرات وجانوران زمینی کہ از عفونت تولد کنند۔

ذخیرہ خوارزم شاہی کتاب نجم ص 95

جس وقت کہ کیڑے مکوڑے اور زمینی جانور دیکھے جائیں کہ جن کی پیدائش عفونت سے ہوتی ہے۔

اسی طرح حیوانات عجیبہ وغفنہ کی اصطلاح کے ساتھ دبیلات کے ذکر میں بکرد یا یا جراثیم کے وجود کی ایک مشاہداتی مثال رازی نے بھی بیان کی ہے۔

اذا بططت دبیلات رایت فی داخلہا انواعات مختلفۃً اجسامًا رطبۃً وصلبۃ وحیوانات عجیبۃ کالحیوانات عفنیہ۔

کتاب الحاوی جز ثانی ص 105

میں نے دُبیلات میں شگاف دیا تو میں نے ان کے اندر مختلف اجسام تر و سخت اور عجیب قسم کے حیوانات عفونیہ کے مشابہ دیکھے۔

مشتے نمونہ از خروارے کے بطور مذکورہ بالا چند اشلہ سے ثابت ہے کہ یہ حیوانات یا جراثیم اصل میں کچھ ان مخصوص ذات تحفین فضلات وموادکی پیداوار ہیں جن کو طبیعت دفع یا جن کی اصلاح نہ کر سکے ان میں عفونت پیدا ہو کر جراثیم یا باصطلاح رازی حیوانات عجیبہ وعفنہ کی شکل اختیار کر سکے جس کا ثبوت روزمرہ کے مشاہدات سے بھی ملتا ہے کہ انسانی اجسام میں جوئیں پیدا ہوتی ہیں لیکن دیگ

حیوانات سے مختلف۔ اسی طرح پھلوں، ترکاریوں اور غلہ وغیرہ میں کیڑے پیدا ہوتے ہیں وہ بھی ایک دوسرے سے مختلف شکل وصورت رکھتے ہیں۔ اسی طرح حشرات الارض میں بھی تشابہ ویکسانیت نہیں ہوتی نیز مرضی کیڑے بھی مختلف الاشکال ہوتے ہیں جیسے دود القرح، دود الاذن، دود الانف، دود الامعا کصداع دودیہ، جرب دودیہ، حیوانات عجیبہ وعفونیہ وقمل النسر وغیرہم یہ اختلاف اشکال اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ تمام تر مولدات اور بکٹیریاز یا جرمس حسب مواد وفضلات پیدا ہوتے ہیں اور حسب طبیعت ومواد قوت مصورہ ان کو شکل وصورت عطا کرتی ہے چنانچہ ان مواد وفضول کے مولدات کا بحد بصر جس حد تک مشاہدہ کیا جاسکا ویسے ہی اسماء وتعبیرات سے ان کو منسوب وموسوم کیا گیا مگر جب باریک بینی بصارت کا زیادہ ساتھ نہ دے سکی تو کھلے ذہن سے یہ اعتراف بھی کیا گیا کہ کچھ اشیاء اور اسباب ایسے بھی ہیں جن کی جزئیات کا ہمیں علم نہیں۔ یہ علمی اعتراف بعینہ ایسا ہے جیسا کہ جرمس اور وائرس کو خوردبینی گرفت میں لے کر بعض آزاد وائرس کو ابھی تک اس گرفت میں نہ لیا جاسکا۔ لیکن جزئیات کا علم نہ ہونا جزئیات کے عدم پر دال نہیں جیسے بعض وائرس کی عدم گرفت ان کے وجود کی نفی نہیں ہے۔ اگر اس وقت خوردبین معرض وجود میں ہوتی تو بزبان شیخ مرض "ورد علیہ من خارج یا مما یخالطہ من اجسام ارضیۃ وخبیثۃ"۔

نہ کہا جاتا بلکہ باہر سے وارد ہونے والی شئے اور اجسام ارضیہ خبیثہ کو یقیناً جراثیم اور وائرس جیسے ناموں سے تعبیر وموسوم کیا جاتا یا صاحب "کامل الصناعۃ" کے قول کے مطابق زمانہ وبا میں

"کان بدنہ اخلاط ردیہ مشاکلۃ بجواھر الھواء الردی" پر

اکتفا نہ کیا جاتا بلکہ اخلاط ردیہ اور ہوائے ردیہ میں باہمی شکل وصورت کو ایک بھائی بہن کی طرح بشکل جراثیم اور وائرس مصور کر دیا ہوتا اور باوجود خوردبین نہ ہونے کے یہ تحقیق بھی کچھ کم اہمیت کی نہیں ہے کہ ایک ایسی جرب اور کھجلی کی قسم کی نشاندہی کی گئی جس میں سوئی کی نوک کے برابر باریک باریک کیڑے موجود ہوتے ہیں۔ اسی طرح قمل النسر کے نام سے ایک کیڑے

کی تحقیق بھی بے حد مختاج توجہ ہے کیوں کہ گدھا مرغی کبوتر کی طرح اہلی اور پالتو جانور نہیں ہے کہ اس کے جسم میں موجود جوؤں اور کیڑوں کا بآسانی مشاہدہ کیا جا سکے۔ چہ جائیکہ جسم انسانی میں سے بے حد قلیل الوقوع مرض کو مختص کر کے اس کے شدید ترین عوارض کو بھی بیان کر دیا جائے۔

یہ تھا اطبائے قدیم کے نظریات کے تحت جراثیم کا اثبات جن کو انھوں نے اخلاط و مواد ردیہ وعفونیہ کے ضمن میں موجبات عفونیہ کہہ کر مولدات وحیوانات عفونیہ واجسام خبیثہ کا نام دیا لیکن ان ہی کے نظریات کے تحت اس اثبات میں یہ ابطال بھی مضمر و مستور ہے کہ جراثیم یا حیوانات عفونیہ واجسام خبیثہ بلا واسطہ سبب مرض نہیں ہیں بلکہ سبب مرض تو وہ عفونت ہے جو اخلاط غیر طبعیہ ومواد ردیہ میں پیدا ہوئی اور اس عفونت کے نتیجہ میں یہ مولدات پیدا ہوئے جو داخل جسم بھی ہو سکتے ہیں اور خارج بدن بھی جیسا کہ حسب ذیل حوالہ سے ظاہر ہے جس کی وضاحت جرب دود یہ میں کی گئی ہے۔

وہو الذی یکون حیوان شبیہۃ بالعیدان والسبب فی تولد ذالک الخلط قد عفن وفسد تیولد فیہا الدود کما یتولد فی الشئی اذا سخن وعفن۔

معالجات بقراطیہ (مخطوطہ) صفحہ ۸۹

وہ کھجلی ایک حیوان سے ہوتی ہے جو لکیروں کے مشابہ ہوتا ہے اس کی پیدائش کا سبب ایک خلط ہوتی ہے جس میں فساد وعفونت پیدا ہو کر کیڑا پیدا ہو گیا جیسا کہ کسی بھی شے میں پیدا ہو جاتا ہے جو گرم ہو کر سڑ جائے۔

اس عبارت سے واضح ہے کہ خلط و مادہ میں عفونت پیدا ہو کر کیڑے پیدا ہوا کرتے ہیں نہ یہ کہ کیڑے عفونت پیدا کریں۔ اس کی تائید مندرجہ ذیل عبارت سے بھی ہوتی ہے جس میں عرق مدنی (نارو) کو ایک کیڑے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وتولدہ من مادۃ مائیۃ شدید العفونۃ وفساد۔

شرح قرشی (مخطوطہ) صفحہ ۲۰

اس کی پیدائش ایک شدید العفونت و فاسد مائی مادے سے ہوتی ہے۔
دبائی زمانہ میں خارجی تغیرات سے ہوا تک متاثر ہو جایا کرتی ہے اس کا سبب بھی عفونت ہی ہے۔ مثلاً

طذا لو باتعفن یعرض فی الہواء۔

کتاب القانون اول ص۱۱۹

ہوا میں تعفن پیدا ہو جانے کا نام وبا ہے۔
یہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ یونانی نظریہ کے مطابق ہوا تو بسیط ہے اس میں تعفن کیونکر ممکن ہے جیسا کہ حسب ذیل عبارت سے ظاہر ہے کہ

ان البسائط لا تعفن لانہا خلقت بالطبع غیر قابلۃ للتعفن لو کذالک۔
لجاز ان یعفن جمیعا۔

شرح قرشی مخطوطہ ص۲۳۸

بسائط میں عفونت پیدا نہیں ہوا کرتی کیونکہ طبعاً ان کی پیدائش ایسی ہے کہ وہ عفونت کو قبول ہی نہیں کرتیں اگر ایسا ہوا کرتا تو تمام اشیاء متعفن ہو جایا کرتیں۔

اپنی علمی بصیرت کے تحت ایک ممکنہ اعتراض کا رد بھی متقدمین نے اسی وقت کر دیا تھا جو آج کی سائنس کا اہم ترین موضوع ہے کہ ہوا بسیط نہیں ہے۔

فانا لسنا نعنی بالہواء البسیط المجرد فان ذالک لیس ہو الہواء الذی یحیط بنا۔ الخ

ہم ہرگز ارشش ہوا کو ہوائے بسیط و مجرد نہیں کہتے کیونکہ ہمارے اردگرد جو ہوا ہے یہ وہ ہوا نہیں ہے۔

نقصانِ صحت کے بطور جن دو امور کو اہمیت دی گئی ہے ان میں ایک عفونت بھی ہے،

جیسے کہ :-

بل انما تقتضی امرین منع العفونۃ اصلا - الخ

بلکہ حفظ صحت دو امور پر مشتمل ہے ایک یہ کہ عفونت کو بالکل روکا جائے الخ

مندرجۂ ذیل عبارت سے اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ عفونت کوئی مرض نہیں ہے بلکہ بلاواسطہ سبب مرض ہے اس لئے بلاواسطہ جراثیم سبب مرض نہیں ہو سکتے جیساکہ حمی عفونیہ میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

حمی العفونۃ فان العفونۃ سبب بلاواسطہ ولیس العفونۃ فی نفسہ مرضا بل انما ہی سبب مرض۔

کتاب القانون جلد رابع صـ

مذکورۂ بالا واضح مثالوں سے یہ ثابت ہوگیا کہ طب یونانی میں امراض وبائیہ میں عفونت وفساد کو بہت بڑا دخل ہے اور یہ بھی محقق ہے کہ عفونت سے کیڑے پیدا ہوا کرتے ہیں جن کو جراثیم ووائرس کا نام دیا گیا ہے نیز عفونت وفساد کے لئے سبب واصل یعنی غیر طبعی اخلاط، فضلات ومواد ردیہ درکار ہیں جس کو استعداد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس لئے اگر اطبائے قدیم نے اصول وعلاج میں جراثیمی نظریہ سے صرف نظر کر کے اخلاط غیر طبعیہ اور فضلات ومواد ردیہ اور ان کی قابل تعفین حیثیت کو اوّلین مقام دیا تو میرے نزدیک یہ نظری وعملی دونوں حیثیتوں سے اصول طب کے عین مطابق ہے۔

اس لئے آئیے ہم پھر اپنے شاندار ماضی کی طرف چلیں اور بجائے اس کے کہ تحقیق جدید کے نبائے ہوئے لقموں کو اپنے حلق سے اتار کر قوت لایموت کے سامان فراہم کریں حال کے اس اہم تقاضہ کی طرف ملتفت ومتوجہ ہوں کہ بعض صنعتی آلات کے عدم وجود وایجاد کی وجہ سے جس مقام پر ہمارے اسلاف کے قدم ٹھہر گئے تھے ان کو نشان منزل بنا کر اس مقام سے آگے بڑھیں اور یہ دیکھیں کہ ہمارے ماکولات ومشروبات سے براہ راست کی مایتحلل

جسم میں مخصوص استحالات کے بعد جو کیلوس و کیموس تیار ہوئے اور اخلاط وجود میں آئے مگر بعض نقائص کی بنا پر ان سے جو غیر طبعی فضل کا اجتماع ہوا اور ان میں کچھ مخصوص تغیرات کی وجہ سے جو مولدات یا جراثیم معرض وجود میں آئے ان مواد و فضلات کو تلاش کریں اور بجائے اس کے کہ ان فروعی مولدات کے لئے اینٹی سپٹیک یا اینٹی بائیٹک قاتل جراثیم زہروں کو اجسام میں مسلسل پہنچاتے رہیں جن کے جسم میں اپنے بھی فساد انگیز ردِ عمل اور ری ایکشن ہوتے ہیں جن سے ہزار ترقیات کے باوجود طبِ جدید پریشان و متفکر ہے۔ ہم اپنے تحقیقی نظریاتِ طب کے مطابق جسم میں ان کا استلا روکیں تاکہ جسم میں جراثیم کی تولید کی استعداد و صلاحیت کا سدِ باب ہو اور بوجہ عدم صلاحیت و استعداد بیرونی و خارجی جراثیم ابدان کو متاثر نہ کر سکیں اور انھیں سامانِ حیات نہ مل سکیں۔

مترجم: ڈاکٹر محمد عمر
ریڈر شعبہ تاریخ علی گڑھ
مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ

مجالس کلیمی

(ملفوظات شاہ کلیم اللہ شاہ جہان آبادی)

مرتبہ: خواجہ محمد کامگار خان، خادم و مرید حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی خلیفہ شاہ کلیم اللہ جہان آبادی

قسط نمبر ۲

تسویں مجلس:

بروز پنجشنبہ بتاریخ ۲۱/ ربیع الثانی کو قدمبوسی کی دولت میسر ہوئی۔ اس موقع پر مصدر کی ازال ملوثا و القبور کتاب کا اس کی شرح سے مقابلہ کر رہے تھے۔ مقابلہ رسالے کے بعد ایک عبارت کا عجیب و غریب ترجمہ بیان فرمایا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خارجی کافروں کو سزا دینے کے لئے بڑے صحابہ کی ایک جماعت کو متعین کیا۔ ان سے مقابلے کے بعد خون ریزی شروع ہوئی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایک بڑی تعداد شہید ہوئی۔ کافروں اور فاجروں کے لشکر کی طرف سے ایک شخص لشکر اسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے یہ درخواست کی کہ: "میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں مجھے کلمۂ طیبہ پڑھا دیجئے۔" (انھوں نے) دریافت کیا کہ: اسلام کی طرف ہمارے

واقع ہونے کی کیا وجہ ہے؟" اس نے جواب دیا کہ جب میں ایک مسلمان کے مقابلے میں لڑنے گیا، (اور) اس کے سینے میں میں نے نیزہ مارا تو وہ شخص مع نیزہ آسمان کی طرف پرواز کر گیا۔ آسمان میں ایک تخت ظاہر ہوا۔ اس تخت پر بٹھا کر فرشتے اُسے اتنی بلندی پر لے گئے کہ وہ تخت میری نظر سے اوجھل ہو گیا۔ مسلمانوں کی عظمت کو دیکھ کر میں یہ چاہتا ہوں کہ مشرف بہ اسلام ہو جاؤں (اس معرکے) میں مسلمانوں کی جو جماعت قتل ہوئی تھی، لشکر کے سردار نے اُن میں سے ہر ایک کو تلاش کر کے اُٹھایا۔ اور اُنھوں نے یہ دیکھا کہ ایسے کون کون صحابی تھے جنھیں شہادت کا مرتبہ ملا۔ معلوم یہ ہوا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ، ایسے صحابی تھے جو کشتوں میں نہ پائے گئے۔ وہ مُنافق مسلمان ہو گیا اور مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو گیا۔ جناب اقدس نبی علیہ السلام کی خدمت میں یہ کیفیت اور ماجرا بیان کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمار فلاں آسمانی تخت پر جلوہ افروز ہے۔ ان فوائد کے بیان کرنے کے بعد (انھوں نے) فرمایا کہ قدیم انبیائے علیہ السلام کے یہ تمام معجزے آنحضرتؐ کی ذاتِ بابرکات سے ظہور پذیر ہوئے لیکن اُن کا جسمِ مبارک زمین میں سکون (دفن) ہوا، اور حضرت عیسیٰ روح اللہ علیٰ نبینا علیہ السلام مع جسم (بذاتِ خود) اعلیٰ بلندی پر تشریف لے گئے اور وہیں رہ گئے۔ رسول اللہ صلعم کی اُمت کے بزرگوں کے اولیاء سے ایسے اعلیٰ مرتبے پر پہنچنے کی کرامت ظاہر ہوئی۔ کتاب مذکور کی عبارت پڑھنے کے بعد فرمایا کہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسہال کے مرض سے وفات پائی تھی۔ اس واقعہ کے بعد اُن کے لحاف سے سفید کپڑے کے ایسے دو ٹکڑے برآمد ہوئے جیسے کسی نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے اور نہ ہی کسی جولاہے نے ان کی جیسی نفاست کا کوئی ایسا نفیس کپڑا پہلے کبھی بُنا تھا۔ معاصرین کو ایسا معلوم ہوا کہ یہ غیب (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے ہوا ہے۔ اُن ٹکڑوں کا کفن تیار کر لیا گیا۔ جب وہ لوگ شیخ کا جنازہ مدفن لے گئے تو انھوں نے وہاں ایک قبہ تیار پایا گویا ابھی تیار کیا گیا ہے۔ (قبر کھود کر، اُسے درست کر کے) فی الفور انھیں اس میں دفن کر دیا۔ اور اس شیخ کو درجہ شہادت نصیب ہوا جو بھی شخص اسہال کے مرض یا دیوار سے دب کر یا ڈوب کر یا جل کر

مرتا ہے، اسے درجۂ شہادت عطا ہوتا ہے۔ علمائے محدثین نے شہادت کا درجہ پانے کے لئے سات اسباب مقرر کیے ہیں۔ اس سلسلے میں اس خادم نے عرض کیا کہ آج مغرب کی نماز میں ایک عقیدتمند پیچھے سے آکر شامل ہوا تھا حضرت بدولت نماز کے بعد اندر تشریف لے گئے۔ اُن کے انتظار میں وہ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بندگی بجا لایا اور زار و قطار رونے لگا کہ آپ ایسے عزیزوں کو معاف فرما دیتے ہیں جو بے وقت حاضر ہوتے ہیں۔

اِس کمترین کی طرف روئے مبارک کرتے ہوئے (اُنھوں نے) فرمایا کہ مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد میں دُعا پڑھتا ہوں اور اندر جا کر سنت ادا کرتا ہوں۔ اور فرض کے ساتھ ساتھ سنتِ مؤکدہ اس طرح منسلک ہے کہ بلا فاصلہ خاموشی سے ادا کرنا چاہیے۔ اس کمترین نے عرض کیا کہ حضرت غریب نواز سلمہ اللہ تعالیٰ اسی طریقے پر مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد حجرۂ مبارک میں تشریف لے جاتے ہیں اور حضرت ولایت پناہ کی پیروں کی تکمیل کرتے ہیں۔ اگر اس دوران کوئی شخص وارد ہوتا ہے تو وہ انتظار میں بیٹھ جاتا ہے اور دو تین گھڑی رات گذرنے کے بعد اس سے ملتے ہیں۔ ان فوائد کے سننے کے بعد اس کمترین کو رخصت عطا ہوئی الحمد للہ علیٰ ذالک۔

گیارھویں مجلس:

بروز سنیچر، بتاریخ ۲۶ ربیع الثانی کو قدمبوسی کی دولت میسر ہوئی۔ زنان خانے میں تشریف رکھتے تھے۔ اس کمترین کی آمد کی اطلاع ہوئی۔ بچا ہوا کھانا مجھے عطا کر کے نوازش فرمائی۔ میں آداب بجا لایا۔ تھوڑی دیر بعد خانقاہ میں تشریف لائے۔ اس ولی نعمت کا شکریہ ادا کر کے میں نے عرض کیا کہ گزشتہ جمعہ کو قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا تھا۔ فرمایا کہ میں حضرت قطب الاقطاب قطب الدین کاکی قدس سرہٗ کی زیارت کے لئے گیا ہوا تھا، اور واپس آکر میں نے دہلی میں نمازِ جمعہ ادا کی تھی۔ (انھوں نے) اصل کتاب سے شرح صدور کا مقابلہ کرنا

شروع کیا۔ چند صفحات کا مقابلہ کر کے عربی عبارت کا ترجمہ بیان کیا۔ (فرمایا) حضرت سید المرسلین علیہ السلام کے وصال کے بعد حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی صورت میں پہلا فتنہ ظاہر ہوا تھا اور اس کے بعد مسلمانوں میں جتنی بھی آپسی جنگیں وقوع پذیر ہوئیں، وہ سب حضرت عثمان کے خون بہا کی خاطر ہوئیں۔ اس واقعہ کے بعد معاصر ایک ولی نے خواب میں دیکھا کہ دُنیا و عقبیٰ کو لاکر پیش کیا گیا اور ان دونوں کے درمیان میں ایک دیوار کھڑی کر دی گئی۔ اس ولی کا یہ بیان ہے کہ میں نے اپنے کو اس دیوار کے نیچے پایا۔ میں چند قدم آگے بڑھا۔ میں نے ایک جماعت کو وہاں بیٹھا ہوا دیکھا۔ میں نے اُن سے دریافت کیا۔ "تم لوگ کون ہو"؟ انھوں نے جواب دیا کہ: ملائک" میں اور آگے بڑھا۔ زینے نظر آئے۔ میں اُن زینوں سے اوپر چڑھ گیا۔ اب مجھے وہاں ایک جوان اور ایک شیخ بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ اس جوان کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس تھی اور وہ ضعیف شخص حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام تھے۔ آنحضرت صلوٰت اللہ علیہ کو میں نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ "میری اُمت کے حق میں دُعا فرمائیں" انھوں نے طیش میں آکر جواب دیا کہ "میں ایک ایسی اُمت کے حق میں کیا دُعا کروں جس سے ایک ایسا شخص شنیع عمل سرزد ہوا اور اس نے اپنے امام کو قتل کر ڈالا" انھوں نے سعدؓ کی طرح، جن کا شمار دوستوں میں ہوتا ہے، کوئی ایسا کام نہیں کیا جو اُن کی نجات کا باعث ہوتا۔ (حضرت ابراہیم) خلیل اللہ علیہ السلام کی بات سن کر میں بیدار ہوا اور سعد رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف میں دوڑتا ہوا گیا۔ (میں نے) سعدؓ کی خدمت میں وہ خواب بیان کیا اور اُن سے دریافت کیا کہ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے فساد کے موقع پر کون سا ایسا کام کیا تھا اور وہ کس کے ساتھ شریک تھے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "میں نے غیر جانبداری اختیار کر لی تھی"۔ الحمد للہ میرا یہ فعل میرے لیے نجات اور مرتبوں کے کشادہ ہونے کا باعث ہوا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے اُس ولی کو، جس نے یہ خواب دیکھا تھا، یہ وصیت کی تھی اور اُن سے یہ معلوم کیا تھا کہ: "آیا تم مالِ غنیمت رکھتے ہو؟" اس نے جواب دیا "نہیں"۔ انھوں (سعدؓ)

نے فرمایا کہ "اے عزیز! یہ ایک ایسا زمانہ ہے کہ غنائم کے خیر و شر کو اپنی قوت (نہ) سمجھ اور اپنی
پوشاکوں کے لئے کھالوں کا انبار کر۔ ایک ایسے پُر آشوب زمانے میں جس کا فساد بحر و بر پر مسلط ہے
سب کاموں سے بہتر گوشہ نشینی ہے"۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ خواب تو واقع
ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن اولیاء کے خواب میں صداقت اور اصلیت ہوتی ہے فرمایا (شاہ
صاحب نے) کہ سونے کے وقت سونے والے کی رُوح نتھنوں سے باہر آتی ہے اور آسمان اور
اطراف واکناف کی طرف چلی جاتی ہے۔ اور رُوح کا بڑھنا سورج کے نور کی طرح ہے۔ کیونکہ اس
کا تعلق اس کی ذات سے ہے۔ اور اس کا پَرتو ساری دُنیا پر محیط ہو جاتا ہے۔ فی الحقیقت سورج
کی ذات سے اس کا نور الگ ہوتا ہے اور یہی بات چراغ کی روشنی کے بارے میں صادق آتی ہے
وہ فرشتہ جو رُوحوں کا مؤکل ہے جس قدر روح کو ظاہر کرتا ہے اتنا ہی دیکھتا ہے۔ اور عرش کے نچلے حصے
میں جو دیکھتا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ کیونکہ شیطانوں کے تصرف کی وجہ سے آسمان کا نچلا حصہ
خالی نہیں ہے اور عرش مجید کے برابر جا کر جن روحوں کا وہ مشاہدہ کرتا ہے اور دیکھتا ہے وہ ان کو پوری طرح
دیکھتا ہے۔ ان میں کسی قسم کا فرق نہیں ہوتا ہے۔ ان فوائد کو سننے کے بعد حاضرین مجلس میں سے ایک شخص اٹھ کھڑا
ہوا اور عرض کیا: "اس خادم کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس کا نام تجویز فرما دیں" فرمایا
کہ حدیث میں آیا ہے کہ سارے ناموں میں سے بہترین چھ نام ہیں۔ چنانچہ وہ نام (انھوں نے) گنے۔ عبداللہ،
عبدالرحمن، محمد، احمد، حامد اور محمود۔ ان ناموں سے جو نام آپ چاہیں، اس کا وہی نام
رکھ دیں۔ ملتمس اور حاضرین نے عبداللہ نام پر اتفاق کیا کیوں کہ یہ نام جامع ہے اصحابِ
(رسول) میں سے تین سو اور چند لوگ ایسے تھے جن کا نام یہی تھا لیکن ان میں سے ہر ایک کی
کنیت الگ الگ تھی کہ ان کنیتوں سے ان کی تشخیص کی جاتی تھی کسی اور دن آنا تاکہ تمہارے
بیٹے کی کنیت تجویز کر دوں"۔ اس کے بعد فرمایا کہ ماں اور باپ کو بچے کی اس قدر خواہش ہوتی ہے
کہ اس کے تولد ہونے سے پہلے ہی دل میں یہ طے کر لیتے ہیں کہ اگر لڑکا ہوا تو ہم اس کا فلاں نام
رکھیں گے۔ جو شخص اپنے لڑکے کا نام مجھ سے تجویز کرانے آتا ہے تو میں اس شخص کی خواہش

معلوم کرکے اس نومولود لڑکے کا نام تجویز کرتا ہوں تاکہ اس کی خواہش کے خلاف نام تجویز نہ ہو جائے۔ اور چھ دن کے بعد اس کا نام تجویز کرتا ہوں۔ اس شخص نے عرض کیا کہ جب تک بچے کا نام مقرر نہیں ہو جاتا اُس وقت تک عورتیں اُسے دودھ نہیں پلاتی ہیں۔ اِس خادم نے دیدہ و دانستہ یہ بات عرض کی تھی۔ (انھوں نے) فرمایا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (اس موقعہ پر) اس خاکسار کو بے ساختہ غریب نواز (شاہ نظام الدین اورنگ آبادی) کا یہ قاعدہ یاد آگیا کہ وہ عقیدتمندوں کے بچوں کے نام چھ دن کے بعد مقرر کیا کرتے تھے۔ سبحان اللہ پیر طریقت کی پیروی اور مطابقت اس حد تک ہونی چاہیے جیسی کہ وہ وادیٔ حقیقت کے رہنما یعنی شاہ نظام الدین مدظلہٗ کیا کرتے ہیں۔ کُلّی اور جزوی امور میں پوری طرح سے پیروی کرتے ہیں اور ذرہ برابر بھی فروگذاشت اور کمی نہیں کرتے ہیں۔ یہ بات آنحضرت سلمہ اللہ تعالیٰ کے کمال پر دلالت کرتی ہے ؎

پیروی پیر لازم گشت، امّا مشکل است ہست آساں آنقدر مریدے کہ او خود پیر شد

(پیر کی پیروی کرنا لازم قرار دی گئی لیکن یہ کام مشکل ہے۔ یہ کام اس کے لئے آسان ہے جو بذاتِ خود پیر بن گیا)۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ بَيْنَنَا (ہم اپنے نزدیک اُن میں سے کسی میں کوئی فرق نہیں کرتے)

اس گفتگو کے ضمن میں خیرات اور نیکیوں کا ذکر آگیا۔ فرمایا کہ "غریبوں اور مسکینوں کے حالات معلوم کرکے خیرات دینے میں بہت بڑا اجر ملتا ہے"۔ یہ فوائد بھی بیان کئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک عورت نے یہ عرض کیا کہ "میرا ہاتھ سوکھ گیا ہے۔ دعا فرمائیں کہ اس میں پہلے کی طرح طاقت آجائے اور اس میں پکڑنے کی طاقت دوبارہ پیدا ہو جائے"۔ ام ہات المومنین نے (اس عورت سے) اس کی وجہ دریافت کی۔ اس نے

جواب دیا کہ میرے ماں باپ ایسے تھے کہ والد صاحب توفیق او مُخیّر تھے اور میری والدہ
بخیل اور طبعاً بہت کنجوس تھیں۔ ایک دن میرے والد نے ایک گائے قربان کی تھی۔ میری والدہ نے
اس کی تھوڑی سی چربی (یا گوشت) ایک فقیر کو دے دی تھی۔ اور ایک مرتبہ ایک مسکین کو انھوں نے
خیرات میں سوتی کپڑے کا ایک ٹکڑا دے دیا تھا۔ ساری عمر میں انھوں نے یہی دو نیکیاں کی تھیں۔ اللہ
تعالیٰ کے حکم سے والدین موت کا سامان کر کے عالم بقا کے لئے رخصت ہو گئے۔ ایک دن میں نے اپنے
والد کو خواب میں دیکھا کہ وہ ایک بہشت حوض کے کنارے کھڑے ہوئے پیاسوں کو پانی پلا رہے ہیں۔
میں ان کے قریب گئی اور ان سے ملی۔ میں نے ان سے والدہ کے بارے میں معلوم کیا تو انھوں نے کہا
کہ مجھے اس کا کوئی علم نہیں ہے۔ میں چند قدم اور آگے بڑھی (اور) میں نے اپنی والدہ کو برہنہ
بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اس کپڑے سے اپنا ستر چھپائے ہوئے تھیں جو انھوں نے ایک مسکین کو دیا تھا
اور اس چربی کو ایک ہاتھ سے دوسرے میں مل رہی تھیں۔ والدہ کو جب میں نے اس حالت میں
دیکھا تو رنجیدہ ہو کر میں نے ان سے ان کی حالت دریافت کی۔ وہ بولیں کہ میں بہت پیاسی ہوں۔
دوبارہ میں دوڑ کر والد کے پاس گئی اور اس حوض سے پانی کا ایک برتن بھر کر لائی۔ میری والدہ اس
پانی کو پی کر سیر ہو گئیں۔ اور ان کی حالت ٹھیک ہو گئی۔ (اس موقع پر) دور سے دوڑ کر چند فرشتے میرے
نزدیک آئے اور انھوں نے مجھے ڈرایا دھمکایا اور غیظ و غضب سے پیش آئے۔ انھوں نے پوچھا کہ
تم نے اس کنجوس (عورت) کو جو عذاب میں گرفتار تھی، پانی پلا کر کیوں سیراب کیا؟ (اس) کا ہاتھ شل ہے
فرشتوں کی دعا کی، وہ اسی سے یہ (ہاتھ) شل ہو گیا۔ بیدار ہونے کے بعد میری ایسی ہی حالت ہو گئی
تھی۔ ان فوائد کو بیان کرنے کے بعد اس کمترین کو رخصت عطا ہوئی۔ الحمد للہ علی ذالک۔

بارھویں مجلس:

بروز پیر بتاریخ ۲۰ ربیع الثانی کو قدمبوسی کی دولت میسر ہوئی۔ صبر کے بارے میں ذکر آیا
فرمایا کہ ایک پاکباز شخص قبروں کی زیارت کے لئے گیا ہوا تھا۔ کچھ قبریں ایک دوسرے کے متصل

تھیں۔ وہ شخص قبروں کے بارے میں کشف رکھتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اہلِ قبور اللہ تعالیٰ کے فضل سے محفوظ اور مسرور ہیں۔ آپ سے (اس نے) دریافت کیا کہ میں نے آپ لوگوں کو بہت اچھی حالت میں دیکھا ہے۔ سچ سچ بتایئے کہ آپ لوگوں میں کس شخص کا مرتبہ سب سے زیادہ بلند ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ: یہ قبر جو میری قبر کے نزدیک ہے، اس کا صاحبِ قبر مجھ سے بہتر ہے۔" ولیوں کی زیارت کرنے والا وہ شخص اس قبر کی طرف متوجہ ہوا۔ مرغوب لباس میں ملبوس ایک جوان باہر آیا جس کی پیشانی سے انوار نمایاں تھے اور رحمتِ الٰہی کے آثار ہویدا ہو رہے تھے۔ ولی مذکور نے انھیں سلام کیا۔ (انھوں نے) سلام کا جواب دیا۔ انھوں نے دریافت کیا کہ اے جوان تمہاری عمر بہت تھوڑی تھی لیکن اس تھوڑی سی عمر میں تم نے کس قدر نیکیاں کیں۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے فرائض ادا کیے کہ تم اس اعلیٰ ترین مرتبے کو پہنچے۔ اس نے جواب دیا کہ: اے شیخ جن عبادتوں کا آپ نے شمار کیا، اُن میں سے میں نے زندگی بھر کسی ایک پر بھی عمل نہیں کیا تھا لیکن چونکہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے دُنیا میں مجھے مصائب میں گرفتار رکھا تھا اور میں نے اُن پر صبر کیا تھا (اس لیے) مرنے کے بعد حضرت کریم نے اپنے لامحدود فضل سے مجھے جزائے صبر عطا کیا۔ یہ اعلیٰ مراتب دُنیاوی مصائب پر صبر کرنے کی وجہ سے مجھے مرحمت ہوئے۔ اس بات کی نزاکت کو انھوں (شاہ صاحب) نے اس انداز سے بیان فرمایا کہ جس طرح انبیاء علیہ وصلوٰۃ والسلام نبوت کے بارے میں آپس میں برابر ہیں، اسی طرح تمام انسان انسانیت میں برابر ہیں۔ انا بشر مثلکم (میں تمہاری طرح بشر ہوں) یہ آیت اس بات کی شاہد ہے لیکن مرتبوں میں فرق، اعمال کے سبب سے ظہور پذیر ہوا۔ ایک دن حضرت داؤد علیہ السلام نے مناجات میں اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا مانگی کہ یہ بندہ کون سا ایسا عمل کرے جو آپ کی درگاہ بے نیاز میں قابلِ قبول ہو۔ حکم ہوا: "مصیبت میں صبر کرنا۔" حضرت داؤد علیہ السلام نے درخواست کی کہ یا الٰہی چونکہ یہ عمل آپ کی رضا حاصل کرنے کا باعث ہے۔ لہٰذا مجھے بلا میں گرفتار کر اور صبر کی توفیق بھی عطا کر تاکہ میں اس کا متحمل بھی ہو سکوں۔" کچھ دنوں کے بعد ایسا ہوا کہ وہ اپنے عبادت خانے میں بیٹھے ہوئے تلاوت کرنے میں مشغول تھے۔ اچانک

خوش رنگ ایک پرندہ وہاں ظاہر ہوا اور آکر ان کے نزدیک بیٹھ گیا۔ اس کا سارا جسم، چونچ سے لے کر پر و بازو تک یاقوتی رنگ اور اس کے پر متنوعہ جواہر کے رنگوں سے مالا مال تھے۔ قرأت کے دوران اس پر ان کی نظر پڑی۔ اور وہ پرندہ انھیں بہت پسند آیا۔ چونکہ وہ پرندہ قریب تھا اس لیے ان کی یہ خواہش ہوئی کہ اس کو پکڑ لینا چاہئیے۔ کتاب جزدان میں لپیٹ دی اور اس کو پکڑنے کے لئے بے تابی سے ہاتھ آگے بڑھایا۔ (حالانکہ) بھاگنا وحشی جانوروں کا خاصہ ہے لیکن (وہ نہیں بھاگا) اُس سے یہ بات ظاہر نہیں ہوئی۔ وہ چند قدم اور دُور ہٹ گیا۔ اُسے پکڑنے کے ارادے سے حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی جگہ سے چند قدم اور آگے بڑھ کر پھر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ باز (پرندہ) اس جگہ سے دوسری جگہ آگے بڑھ گیا۔ اس تگ و دو میں ایسا ہوا کہ وہ (مکان کی) چھت کے کنارے تک پہنچ گئے۔ ان کے ہاتھ کی حرکت کی وجہ سے وہ باز چھت کے کنارے سے اُڑ گیا۔ اب آزمائش کا وقت آگیا۔ داؤد علی نبینا علیہ السلام نے اس چھت کے کنارے سے اس بھاگے ہوئے پرندے کی تلاش میں ادھر اُدھر نظر دوڑائی۔[1] اتفاقیہ ان کی نظر ایک عورت پر پڑی جو نہا کر برہنہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس عورت نے آنحضرت کو دیکھ کر اپنے بالوں کو جنبش دی۔ اس کے بال اتنے لمبے تھے کہ اس حرکت سے اس کا سارا جسم ڈھک گیا۔ خوبصورت نازک، اور اچھے بالوں والی اس عورت اور اس کی زیبائی اور رعنائی پر جب اُن کی نظر پڑی تو ان کے دل سے ایک عاشق کی طرح آہ نکل پڑی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے بے تاب ہو کر عبادت خانے سے باہر نکل کر اس پڑوسی کے حالات کے بارے میں پوچھ تاچھ شروع کی۔ انھیں یہ بتایا گیا کہ وہ فلاں شخص کی بیوی ہے اور اس کے شوہر (غازی) کو اسلامی فوج کے ساتھ کافروں سے مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اس واقعہ کے بارے میں مفسرین علیہ الرحمۃ نے بہت ہاتھ پاؤں مارے اور بہت خیال آرائیاں کی ہیں۔ بعضوں کا بیان ہے کہ وہ (عورت) ان کی منکوحہ تھی اور بعضوں کا یہ خیال ہے کہ اس نے آپس میں شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی اور ابھی عقد نہیں ہوا تھا۔ القصہ کافروں کے

---

[1] یا نیچے کی طرف دیکھا بھی ہو سکتا ہے۔

مقابلے کی اس جنگ میں وہ غازی شہید ہو گیا۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام نے اس دلربا معشوقہ کو اپنے عقد میں لے لیا، اور بلا میں گرفتار ہونے کی طرف سے غافل رہے۔ اُن خوبیوں سے متصف ان کی ازواجِ مطہرات کی تعداد پہلے ہی ننانوے تھی اور اس منکوحہ کی شمولیت سے اُن کی تعداد سو ہو گئی۔ ایک دن آپ اسی عبادت خانے میں بیٹھے ہوئے عبادت میں مشغول تھے اور وہ بدھ کا دن تھا۔ چار سو افراد اس عبادت خانے کے چاروں طرف پہرہ دے رہے تھے اور اس مقررہ دن کو حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں کسی بھی شخص کو جانے نہیں دیتے تھے۔ اچانک دو شخص ایک قضیہ لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت کو اس بات سے بڑی حیرت ہوئی کہ وہ کس طرف سے آ گئے۔ سلام کرنے کے بعد انھوں نے یہ درخواست کی کہ ہم ایک استغاثہ لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ انھوں نے اُن سے اس معاملے کی نوعیت کے بارے میں معلوم کیا اُن میں سے ایک نے یہ کہا کہ اس دوسرے شخص کے پاس ننانوے بھیڑیں ہیں یا بکریاں ہیں اور میرے پاس ایک بھیڑ یا بکرا ہے۔ یہ شخص مجھ سے وہ بھیڑ یا بکرا چھیننا چاہتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ دونوں دعویدار بے انصافی پر تھے۔ یہ سن کر وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ دیکھ کر ہنسنے لگے۔ اُن میں سے ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ تم اپنی بات کہو۔ یہ بات کہہ کر وہ دونوں وہاں سے غائب ہو گئے (اس موقع پر) آنحضرت کو اپنا واقعہ یاد آ گیا۔ انھوں نے گریہ وزاری اور عاجزی کرنی شروع کر دی اور وہ اس قدر زار و قطار روئے کہ اس گریہ کی شدت اور آنسوؤں کی نمکینیت کی وجہ سے اُن کے رُخسارِ مبارک زخمی ہو گئے اور پھٹ گئے۔ اور خون آلود ہو گئے۔ اور انھوں نے اپنے چہرۂ مبارک کو زمین پر اس قدر رگڑا کہ وہ گرد آلود ہو گیا یہاں تک کہ اس نم مٹی اور پانی سے سبزہ اُگ آیا۔ بہت مدت کے بعد یہ آواز آئی کہ "اے داؤد تمہارے جرموں کی تلافی اُس وقت ہو گی کہ تم اس شہید کی قبر پر جا کر اُسے راضی کر لو۔" اسی حالت میں آنحضرت اُس قبر کی طرف روانہ ہوئے اور چند دنوں میں اس کی قبر پر پہنچے۔ گریہ وزاری اور منت وسماجت کرتے ہوئے اُس

مرحوم کا نام لے لے کر فریاد کرتے رہے اور سلام عرض کرتے رہے۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا چند دنوں کے بعد اُس نے سلام کا جواب دیا۔ اُنھوں (حضرت داؤد علیہ السلام) نے کہا کہ خدا کے واسطے میرا قصور معاف کردو۔ اس نے پھر کوئی جواب نہیں دیا۔ (پھر) ایک آواز آئی کہ اے داؤد نبیّم اُن سے اپنا قصور صاف صاف بتادو اور تلافی کی اُن سے درخواست کرو۔ داؤد علیہ السلام نے یہ کہا کہ میرے گھر میں ننانوے عورتیں ہونے کے باوجود میرا دل تمہاری منکوحہ کی طرف راغب ہوا۔ میں نے اُسے اپنے نکاح میں لے لیا۔ میرے اس قصور کو معاف کردو۔ بڑی ایک مدت کے بعد اُس نے انھیں معاف کر دیا (اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ) ہم نے بھی تمہیں معاف کر دیا۔ ان فوائد کے بیان کرنے کے بعد (شاہ صاحب نے) فرمایا کہ اسلام کے تمام ارکان کی بُنیاد صبر پر ہے۔ اور اُن کی تفصیل بیان کی۔ اور کہا کہ نماز کے بارے میں حکم ہے کہ مصلی سجدہ گاہ پر اپنی نظر رکھے اور بات چیت نہ کرے۔ حالاں کہ دل اس بات کی خواہش کرتا ہے اور نظر ادھر اُدھر دیکھنے کی خواہاں ہوتی ہے (پھر بھی) مصلّی صبر کرتا ہے۔ اور خود کو ان باتوں سے روکتا ہے۔ یہی صورت روزہ دار کی ہوتی ہے کہ وہ اپنے کو کھانے پینے اور جماع کرنے سے باز رکھتا ہے اور یہ عمل بھی صبر پر مبنی ہے۔ ایک حاجی جو مکہ کے سفر پر روانہ ہوتا ہے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے، وہ بھی سفر کے مصائب برداشت کرتا ہے۔ دل کی رغبت اور دولت سے انسان کو جو محبت ہوتی ہے، اس کے باوجود زکوٰۃ دینے والے اللہ تعالےٰ کے حکم کے مطابق فقیروں کو دولت دیتے ہیں۔ اور اس روپے کو اپنے سے الگ کرتے ہیں۔ لہٰذا اسلام کے سارے کے سارے احکام صبر سے خالی نہیں ہیں۔ یہ وہ صبر ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں سے ہر ایک شخص طرح طرح کے نیک بدلوں سے نوازا جائے گا اور وہ محفوظ رہیں گے۔ ان فوائد کے سُننے کے بعد اس کمترین کو رُخصت عطا ہوئی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک (اللہ کا شکر ہے اس پر)

تیرھویں مجلس :

بروز بدھ، بتاریخ ۔ رجمادی الاوّل کو قدمبوسی کی دولت میسّر ہوئی۔ ایک عزیز

یہ درخواست کی کہ اس کمترین کے بارے میں فلاں امیر کے نام دو لفظ بطور سفارش تحریر فرما دیں
قلمدان منگوا کر اپنے دستِ مبارک سے ایک خط اس امیر کے نام لکھ کر اُسے مرحمت فرمایا۔
اور اس کمترین (کامگار خاں) سے فرمایا کہ یہ عزیز شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے پوتوں میں سے
ہے، جو اخبارالاخیار کے مصنف اور فاضل، عالم اور ایک درویش تھے۔ اس خاکسار نے
عرض کیا کہ ایک ایسے بزرگ کا پوتا اِفلاس، تنگدستی اور محتاجی کا شکار ہے اور اس دور
میں بزرگ زادوں کے مناسب حال ان کی قدر دانی کرنے والا ایسا کوئی شخص نہیں ہے ؎

درد ہر کہ اولادِ بزرگان خار است   سرگشتہ چوں من، دریں جہاں بسیار است
آدم بودن بشرطِ منصب دیدم   ایں جا نہ نسبت بلکہ منصب گاہ است

(اس دُنیا میں بزرگوں کی اولاد کانٹے کے مانند ہے اور مجھ جیسے پریشان حال اس دُنیا میں بہت ہیں۔)

(میں نے یہ دیکھا ہے کہ انسان وہی ہے جو منصبدار ہے، اس جگہ نسبت کی کوئی قدر نہیں ہے کیونکہ یہ جگہ منصب کی ہے۔

فرمایا کہ لوگوں کا یہ فرض ہے کہ وہ بزرگ زادوں کی قدر پہچانیں، اور اُن کے ساتھ سلوک اور رعایت کریں۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک شخص کسی (بزرگ کا) مُرید تھا۔ اس شخص نے اپنے مُرشد زادے کو شرع کے برخلاف عمل کرتے دیکھا۔ (لہٰذا) اس نے اس سے ملنا جُلنا اور اس کی تواضع کرنا ترک کر دیا تھا چنانچہ اکثر صاحبزادے جو اپنی کے عالم میں آباد اجداد کی پیروی اور تقلید کو چھوڑ کر لہو و لعب میں گرفتار ہو جاتے ہیں ؎

آدمی زادہ نادان، بچہ ماند، دانی   نسخہ معتبر و خوش خط و بسیار غلط

(تم جانتے ہو کہ آدمی کا نادان بچہ ویسا ہی ہوتا ہے جیسے کہ ایک معتبر اور خوش خط نسخہ جس میں بہت سی غلطیاں ہوں)۔

حسنِ اتفاق سے راستے میں اس مرید کی اپنے مُرشد زادے سے ملاقات ہو گئی۔ وہ

دوڑ کر آگے بڑھا اور اس نے صاحب زادے کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا۔ اور اس کے ساتھ بے حد احترام اور اکرام سے پیش آیا۔ اور جب لوگوں نے اس سے یہ پوچھا کہ صاحبزادے سے اس قدر نفرت رکھنے کے باوجود تم اس سے کیوں ملے اور اس کا تم نے اس قدر احترام کیوں کیا تو اس نے جواب دیا کہ جیسے ہی میری نظر صاحب زادے پر پڑی تو میری نظروں کے سامنے شیخ کی روح آ گئیں جیسے کہ وہ قبر سے نکل کر میری طرف دیکھ رہی ہوں میں بے بس ہو گیا اور قدم بوسی کے آداب بجا لایا۔ اس طرح میرے ملنے کو دیکھ کر شیخ علیہ الرحمۃ دوبارہ قبر کے اندر چلے گئے۔ لہٰذا اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرشد کا بیٹا اور ایک بزرگ کا بیٹا کیسا ہی کیوں نہ ہو، عقیدتمندوں اور بزرگوں کو اس کے احترام کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اس کا ادب ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ ان فوائد کے سننے کے بعد اس کمترین کو خلعت عطا ہوئی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک (اللہ کا شکر ہے اس پر)

چودھویں مجلس:

بروز جمعرات، بتاریخ ۸ / جمادی الاوّل سنہ احد کو بابرکات بادشاہ رفیع الدرجات کی قدمبوسی کی دولت میسر ہوئی۔ بابرکت مجلس کے حاضرین میں سے ایک شخص نے دُنیا کی مذمت اور دُنیا پرست لوگوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ فرمایا کہ گذشتہ زمانے میں لاہور شہر میں بے وفا نامی قلندر مشرب ایک درویش نے تکیہ قائم کی تھی۔ وہ مقام بہت پُر فضا اور اچھا تھا۔ اور اس کا صحن بہت صاف ستھرا اور پاک تھا۔ اور اس جگہ کو صاف ستھرا رکھنے کے بارے میں وہ بے حد تاکید کیا کرتے تھے اور وہ لباس کے معاملے میں پابندی نہیں کرتے تھے۔ اور قلندروں کا لباس پہنا کرتے تھے۔ اُن کی وضع سپاہانہ تھی۔ اپنے ساتھ وہ اکثر اسلحے رکھا کرتے تھے اور اس بات کو اس درجہ ملحوظ رکھتے تھے کہ ہمیشہ تیر کو چلّہ کمان میں لگا کر اپنے زانو پر رکھے رہا کرتے تھے۔ مدعا یہ ہے کہ وہ جنگ کے لئے تیار بیٹھا کرتے تھے۔ ان کی

زیارت کے لئے جو لوگ آیا کرتے تھے، اُن کے اِرد گرد بیٹھ جایا کرتے تھے اور خود وہ ان کے درمیان میں بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دن خانِ عالم، جن کا شمار اس عہد کے امیروں میں ہوتا تھا، شاہ صاحب سے ملنے آیا۔ اور ایک جمعدار بھی اُن کے ساتھ آکر وہاں بیٹھ گیا۔ جو خانِ مذکور کا ملازم تھا۔ کھانسی کی وجہ سے وہ جمعدار زمین پر بلغم تھوکنے لگا۔ شاہ بے وفا نے غصہ ہو کر اس جمعدار سے کہا کہ: اسے بے ادب مردک فقیروں کی مجلس میں بے ادبی سے نہیں بیٹھنا چاہیئے"۔ (یہ سُن کر) جمعدار طیش میں آگیا لیکن اُس نے حفظِ مراتب کا خیال کرتے ہوئے کوئی جواب نہیں دیا لیکن بے حد غصّے کی وجہ سے وہ کانپنے لگا۔ شاہ بے وفا نے خانِ عالم سے پوچھا کہ اس عزیز سپاہی کو کیا ہو گیا کہ وہ کانپ رہا ہے۔ خانِ عالم نے جواب دیا کہ حضرت نے اس کے بارے میں جو فرمایا ہے، ویسی بات اس نے پہلے کبھی کسی دوسرے سے نہیں سُنی تھی۔ چوں کہ اس نے اپنا غصہ پی لیا، اس لئے اس پر یہ کیفیت طاری ہو گئی۔ دُرویش نے کہا کہ میں نے کون سی ایسی بات کہہ دی ہے کہ ایسی حالت پیدا ہو گئی ہے (میں نے صرف اتنا ہی کہا ہے کہ) دُنیا کے سب لوگ مردک ہیں اور تم مردکِ کلاں ہو اور وہ مردکِ خورد۔ اس بات کو سُن کر اس جمعدار کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور اس کے جسم کی کپکپی دُور ہو گئی۔ اس کے بعد (شاہ صاحب) نے فرمایا کہ چوں کہ دُنیا داروں کا مطلوب یہ حقیر دُنیا ہوتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس دُنیا کے طالب بھی شرمندگی اور تحقیر کے شکار ہیں۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور مقدس ہے اور عزیز اور قابلِ احترام ہے، اس کے طالب بھی معزز اور مکرم ہوتے ہیں ؎

طالبِ دُنیا ذلیل و خوار گشت

طالبِ مولا عزیز و ذوالکرام

او چو مطلوب چہ اندر خواری است

ایں چوں مطلوب خود اندر احترام

(دُنیا کا طالب ذلیل و خوار ہوتا ہے اور مولا کا طالب عزیز اور ذو اکرام
ہوتا ہے)۔
(اپنے مطلوب کی طرح وہ اصحاب میں شامل ہے اور وہ اپنے مطلوب
کی طرح دائرہ احترام میں ہے)۔
اس کے بعد اس کمترین کی طرف متوجہ ہو کر وہ خط مجھے عنایت کیا جو انھوں نے حضرت
غریب نواز کے نام لکھا تھا۔ فاتحہ پڑھ کر مجھے خجستہ بنیاد کے لئے رخصت کیا۔ یہ خاکسار
آداب بجالا کر اور قدمبوسی کر کے دارین کی سعادت حاصل کر کے واپس لوٹ آیا۔ الحمد للہ
علیٰ ذالک۔ (شکر ہے اللہ کا اس پر)۔

داستان رت پدم

ڈاکٹر مسز صفیہ جاریہ انیس
پوسٹ ڈاکٹرل فیلو
شعبۂ فارسی - علی گڈھ مسلم یونیورسٹی
علی گڈھ

قسط نمبر ۲

داستان کا آخری حصہ جو علاء الدین خلجی (سنہ ۱۲۹۶ء تا ۱۳۱۶ء) کے چتوڑ کے محاصرہ رتن سین کی موت اور پدماوتی کی ستی پر مشتمل ہے تاریخی حیثیت کا حامل ہے (۱) اس داستان کے ماخذ کے بارے میں بڑی لکھتا ہے ۔

(۱) سفرہ کہ پیش تو کشیدم از سفرۂ کس بہ ریزہ چیدم (۲)

لیکن کسی کا نام نہیں لیا ہے اور نہ ہی کوئی اشارہ دیا ہے ۔ اس داستان کو سب سے پہلے ملک محمد جائسی نے شیر شاہ سوری کے عہد (سنہ ۱۵۴۰ء تا ۱۵۴۵ء) میں اودھی زبان میں منظوم لکھا اور اس کا نام "پدماوت" رکھا ۔ جائسی کی یہ مثنوی ادبیات ہندی کا عالی ترین شاہکار ہے (۳)

جائسی کی سن پیدائش میں اختلاف ہے کچھ لوگ سنہ ۹۰۰ھ بتاتے ہیں کچھ سنہ ۸۷۰ھ بتاتے ہیں اور کچھ سنہ ۸۰۰ھ سے ۹۰۰ھ کے درمیان بتاتے ہیں وہ بمقام جائس پیدا ہوئے

---

(۱) ایضاً ص ۹ (۲) ایضاً ص ۱۴ (۳) ۹۔
ص ۱۰

جائس، ۔ پردیش کے ضلع رائے بریلی میں لکھنؤ سے ۷۶ میل شمال کی جانب اب بھی موجود ہے وہاں کنچانا خورد کے محلے میں جائسی کی جای پیدائش ہے (۱) جائسی نے "پدماوت" میں مقام جائس کی بہت تعریف کی ہے۔

ملک محمد جائسی ایک صوفی شاعر تھے راہ سلوک کی منزلوں کو طے کرنے میں مختلف صوفیوں سے رہنمائی ملی تھی۔ یوسف ملک پہلے انسان تھے جنھوں نے ان کو اسرار الٰہی سے آگاہ کیا تھا سید اشرف نے راہ راست سے بھٹکنے پر ہدایت کی روشنی دکھائی۔ پیر مہدی کے سامنے بھی زانوی شاگردی تہہ کیا۔ ان کے علاوہ سالار میاں سلوذ، دور بڑے شیخ جی کی مہربانی و رہنمائی حاصل رہی۔ (۲)

جائسی کی تصنیفات سے ترد ان کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بدصورت انسان تھے اور ایک آنکھ کے نہ ہونے پر ان کی بدصورتی میں اور اضافہ ہوگیا تھا۔ ان کی بدصورتی کو دیکھ کر لوگ ہنس پڑتے تھے مگر جب ان کی باتیں سنتے تھے تو ان لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے اور جو ان کے اشعار پڑھتا یا سنتا تھا تو اس پر مدہوشی چھا جاتی تھی۔ اور ان کے قدموں پر سر رکھ دیتا تھا۔ (۳)

آچاریہ شکل جی پہلے انسان ہیں جنھوں نے جائسی کی پدماوت سے سب کو روشناس کرایا۔ انھوں نے سنہ ۱۹۲۴ء میں کاشی نگری پرچارنی سبھا" ( ) سے پہلی بار پدماوت کو چھپوایا (۴) وہ اس کی زبان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ اودھی زبان میں لکھی گئی ہے مگر اودھی زبان سے زیادہ پدماوت میں گوالی

---

(۱) ڈاکٹر ان دیونگھ اور شاجین پھیپت پدماوت" ص ۱۰ (۲) ایضاً ص ۱۲

(۳) واسدیو شرن "پدماوت" ملک محمد جائسی ص ۲۰

(۴) ایضاً ص ۱۳۔

بول چال کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے گویا جائسی نے ادبی زبان میں روایتی انداز کو نئے طریقے سے پیش کیا ہے ان کا یہ عجیب وغریب انداز "پدماوت" پر چھایا ہوا ہے۔ (۱) جس سے اس مثنوی کی چاشنی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

جائسی کو سرزمین ہند سے بڑی محبت تھی۔ ہندوستانی عوام کے دلوں کے وہ بہت نزدیک تھے۔ سیدھے سادے سچی ذہنیت رکھنے والے گاؤں کے انسانوں سے بھی وہ بہت متاثر ہو جاتے تھے۔ ان کے خیالات وجذبات کا اظہار انھوں نے اپنی شاعری میں کیا ہے۔ اگرچہ وہ مسلمان صوفی شاعر تھے لیکن ہندو اور مسلمان دونوں ان سے ایک سی عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ (۲) انھوں نے اپنے کلام میں کہیں پر بھی ذات وفرقہ کا ذکر نہیں کیا۔ "پدماوت" میں رتن سین اور علاؤالدین کی جنگ دو ذات والوں کی ٹکر نہیں تھی بلکہ دو اصولوں کی ٹکر تھی جو انسانی زندگی کا لازمی جزو ہے۔ ہندوؤں کو ان سے عقیدت کی خاص وجہ یہ تھی کہ ان کی شاعری اور ان کے خیالات مذہبی تعصب اور نفرت سے پاک تھے۔ گویا وہ اپنے زمانے کے گرونانک تھے کہ مسلمان انھیں مسلمان اور ہندو انھیں ہندو سمجھتے تھے۔

"پدماوت" کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے ہندو مذہب کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ دیوتاؤں کے نام، مندروں میں عبادت کا طریقہ اور رسوم کی ادائگی کا ذکر اس طرح کیا ہے گویا وہ خود ان جگہوں پر جاتے تھے۔ کنور محمد اشرف نے اس سلسلے میں انھیں امیر خسرو پر فوقیت دی ہے وہ لکھتے ہیں:- "In some ways, he was greater even than Amir Khusrau, for while the latter was more or less confined in his treatment to muslim society and adhered to the orthodox

---

(۱) ڈاکٹر: جدید سنگھ "بھیسپت پدماوت" ص ۱۶ (۲) واسدیو شرن "پدماوت" ملک محمد جائسی ص ۵۰

view of Islam, the former had drunk deep at the springs of both hinduism and Islam, and was, as a matter of fact, more Hindu than muslim in his outlook on life". (1)

جائسی نے اپنی مثنوی میں جنوبی ہندوستان کے مختلف مقاموں اور دریاؤں کے نام لکھے ہیں اور اُن جگہوں کا ذکر کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اُن مقامات پر ضرور گئے ہوں گے۔ (۲)

بزمی اور جائسی کی داستانوں کا تقابلی مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ بزمی نے جائسی کی داستان سے پورا استفادہ کیا ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بزمی نے جائسی کی پدماوت کا محض فارسی ترجمہ پیش کیا ہے۔ بزمی کی داستان کے مقابلے میں جائسی داستان زیادہ مفصل دلکش اور پُر اثر ہے۔ جائسی کی داستان کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ تمام داستان پر عرفانی رنگ چھایا ہوا ہے اور اس داستان کو تصوفانہ تمثیلی حکایت میں پیش کیا ہے جیسے جائسی۔ بدن انسان، چتوڑ۔ روح، رتن سین۔ عقل، پدماوتی۔ فریب، علاؤالدین۔ غفلت، طوطی۔ راہنمائی روح اور راگھو۔ شیطان۔ (۳)

---

(1) Life and condions of the people of Hindustan, p. 118

(2) Life and conditi-ons of the people of Hindustan, p. 118.

(۳) "داستان پدماوت" از ملا عبدالشکور بزمی بکوشش ڈاکٹر امیر حسن عابدی ص ۱۲۔

جائسی کہتے ہیں کہ عشق کے پیدا ہونے پر دُنیا کی محبت ختم ہو جاتی ہے اور محبوب سے ملنے کے لئے دل میں شدید شوق اور خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ راستے کی مشکلات کا خوف بھی مانع نہیں ہوتا اور پھر سچی محبت کی وجہ سے انسان اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے سلوک کی منزلیں طے کرکے ہی انسان عشق کامل کے درجہ کو حاصل کر سکتا ہے جائسی مزید کہتے ہیں کہ عشق کی حالت مرنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔ اس میں نہ تو جان ہی رہتی ہے اور نہ ہی موت آتی ہے۔ محبت کے اس دشوار گذار راستے پر سچا عاشق ہی چل سکتا ہے۔ عشق کی وادی میں جو شخص پہلے سر دے کر قدم رکھتا ہے موت اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اس لئے کہ وہ پہلے ہی مردہ ہوتا ہے۔ اگرچہ عشق اور اس کے راستے نہایت دشوار گذار ہیں اور سچا عاشق ہی ثابت قدم رہ سکتا ہے لیکن جو اس سے گذر جاتا ہے وہ دونوں جہانوں سے گذر جاتا ہے اسے جنت و دوزخ کی پرواہ نہیں رہتی اور انجام کار وہ خدا کے نور سے جا ملتا ہے۔ (۱) الغرض جائسی نے عشق اور اس کے مسلک اور فنا کے درجہ تک پہنچنے کو تمثیلی شکل میں داستان میں بخوبی سمو یا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کا اصل مقصد پڑھنے والے کے دل میں نور معرفت اور عشق و محبت کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

جائسی کی مثنوی کا طرز بیان اتنا دلکش اور پُر اثر ہے کہ پڑھنے والے کے دل کو موہ لیتا ہے اور دماغ کو مسحور کر دیتا ہے۔ اس نے داستان کے کسی گوشہ کو تشنہ نہیں چھوڑا۔ داستان کو جتنے بہترین طریقہ اور متاثر انداز سے لکھا جا سکتا تھا لکھا۔ اس نے عشق کا جذبہ تین کرداروں میں دکھایا یعنی رتن سین، پدماوتی اور ناگمتی میں۔ رتن سین اور پدماوتی کے دلوں میں ایک ہی طریقہ سے عشق کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جب رتن سین طوطے کے منہ سے

---

(۱) "سنچپت پدماوت" ڈاکٹر راجدیو سنگھ اور شاہین ص ۲۳۔

پدماوتی کے حسن کی تعریف سنتا ہے تو اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے اور مدہوش ہو جاتا ہے (۱) اور پدماوتی بھی جب طوطے کی زبانی رتن سین کی خوبصورتی کا بیان سنتی ہے تو اس سے محبت کرنے لگتی ہے۔ (۲) اس طرح دونوں طرف محبت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ پدماوتی وسنت پنچمی کے دن رتن سین سے ملنے کے لئے آتی ہے۔ رتن سین کی خوبصورتی دیکھ کر پدماوتی دنگ رہ جاتی ہے اور کہتی ہے کہ جیسی تعریف سنی تھی ویسا ہی پایا۔ (۳) رتن سین پدماوتی کے حسن کو دیکھ کر بے ہوش ہو جاتا ہے ہوش آنے پر سر دھننے لگتا ہے۔ اب تک اس نے پدماوتی کے حسن کی تعریف سنی تھی لیکن اب اسے دیکھ لیا تھا۔ وہ عشق کی شدت سے پاگل ہوا اٹھتا ہے اور سوچنے لگتا ہے کہ اب مر کر ہی اسے پاسکوں گا۔ چنانچہ اس نے اپنے لئے چتا تیار کی اور جل کر ہلاک ہونا چاہتا تھا کہ سب دیوتا اس کے پاس اکٹھے ہو گئے۔ ہجر کی آگ اتنی شدید تھی کہ گویا تینوں جہانوں کو خاکستر کر دے گی۔ تب ہی شیو دیوتا نے آکر وہ آگ بجھائی اور رتن سین کو عشق کا راستہ دکھایا۔ (۴) دوسری طرف پدماوتی بھی ہجر کی آگ میں جل رہی تھی جب رتن سین نے گڑھ گھیر لیا تو گندرپ سین کے ایلچی نے آکر وجہ دریافت کی رتن سین نے کہا مجھے پدماوتی چاہیے خواہ اس کے حاصل کرنے میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے اگر زندہ حاصل نہ کر سکا تو مر کر پاؤں گا۔ (۵) گندرپ سین کے حکم سے سب کو سولی پر لٹکانے کے لئے لایا جاتا ہے۔ رتن سین سولی دیکھ کر ہنستا ہے لوگ اس سے ہنسنے کی وجہ دریافت کرتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ جس کا دل پہلے ہی سے مرنے کے لئے آمادہ ہے اسے سولی سے کیا خوف آج مجھے عشق سے نجات مل جائے گی۔ (۶) سولی دینے سے قبل رتن سین سے کہا گیا کہ تم کو جسے یاد کرنا ہے کر لو تو رتن سین جواب دیتا ہے کہ میں ہر سانس میں پدماوتی کو یاد کرتا ہوں میں زندہ رہ کر بھی اسی کا ہوں اور مر کر بھی اسی کا۔ (۷) دوسری طرف پدماوتی بھی اس کے عشق میں بے قرار رہتی ہے وہ رتن سین

(۱) ایضاً ص ۲۰۳ (۲) ایضاً ص ۲۲۲ (۳) ایضاً ص ۲۴۹ (۴) ایضاً ص ۲۵۱

(۶) ایضاً ص ۲۹۸ (۷) ایضاً ص ۲۹۹

کے پاس یہ پیغام بھیجتی ہے :-

जानि जानहु हौं तुम्ह सौं दूरी।
नयननि आँख आछी वह मूरी॥
तुम्ह पर संकट घटइ घट केरा।
मोहि घट जीउ घटत नहिं बेरा॥
तुम्ह कहँ पाट हिएँ महँ राजा।
अब तुम्ह मोर दुहूँ जग साजा॥
जौं रे जिअहिं मिलि केलि कराहीं।
मरहिं तौ एकहि दोऊ॥
तुम्ह पिउ जियँ जिमि हिएँ कहु।
मोहि जियँ होइ सो होऊ॥

دونوں کے محبت کے نتیجے میں ان کی شادی ہو جاتی ہے۔ شادی کے بعد بھی ان کی محبت برقرار رہتی ہے۔ دریا کے سفر میں طوفان آجانے کے سبب دونوں علیحدہ ہو جاتے ہیں تو دونوں فراق میں تڑپتے نظر آتے ہیں۔ (۱) علاؤالدین کے ذریعہ پدماوتی کی مانگ کرنے پر رتن سین مرنے مارنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ (۲) جب رتن سین علاؤالدین کے زندان میں محبوس ہوتا ہے تو پدماوتی بھی جدائی میں بہت روتی ہے (۳) رتن سین دیوپال سے پدماوتی کے لئے لڑتا ہے اور آخر میں اس کے لئے جان دے دیتا ہے (۴) پدماوتی بھی بغیر رتن سین کے زندگی بے کار سمجھتی ہے اور اس کے ساتھ جل کر ستی ہو جاتی ہے۔ (۵)

دوسری جانب جائسی ناگمتی کو بھی فراموش نہیں کرتے وہ رتن سین سے بدنی کے بعد

---

(۱) ایضاً ص ۲۹۱ (۲) ایضاً ص ۴۹۸ (۳) ایضاً ص ۷۷۷ (۴) ایضاً ص ۸۷۰
(۵) ایضاً ص ۸۷۴ -

اس کے تڑپنے کا حال پُر سوز انداز سے کرتے ہیں (۱)۔ ایک پرندے کو اس پر رحم آتا ہے۔ اور وہ اس کا پیغام نے کر سنگل دیپ رتن سین کو پہنچا دیتا ہے۔ (۲) رتن سین کے مرنے کے بعد وہ بھی اس کے ساتھ جل کر ستی ہو جاتی ہے۔ (۳)

جائسی نے اپنی مثنوی میں کرداروں کے نام دئے ہیں جن کا بزمی نے ذکر نہیں کیا۔ جیسے پدماوت کے باپ کا نام۔ گندھرو سین (गंधर्व सेन)(۴)۔ ماں کا نام۔ چمپاوت (चम्पावति)(۵) پدم (पद्मावति)(۶) اور رانی (रानी)(۷)۔ بھی پدماوت کے لئے آیا ہے۔ طوطی۔ ہیرا من۔ (हीरा-मन)(۸) حوض کا نام۔ مان سرور (मान-सरोवर)(۹) رتن سین کے باپ کا نام۔ چترسین (चित्र सेन)(۱۰) خاتونِ حرم کا نام۔ ناگمتی (नागमति)(۱۱) اور دایہ پیر کا نام گامنی داسی (गामिनी दासी)(۱۲) دریا کے بادشاہ کی بیٹی کا نام بزمی نے ''رکمنی'' (۱۳) لکھا ہے لیکن جائسی نے لکشمی (लछमी)(۱۴) لکھا ہے۔

---

(۱) ایضاً ص ۴۱۴ (۲) ایضاً ص ۴۴-۴۳ (۳) ایضاً ۸۷۴ (۴) ایضاً ص ۱۹

(۵) ایضاً ص ۵۸ (۶) ایضاً ص ۵۸ و ۶۰-۶۱ (۷) ایضاً ص ۶۶ و ۷۰ (۸) ایضاً ص ۶۳

(۹) ایضاً ص ۶۸ (۱۰) ایضاً ص ۸۲ (۱۱) ایضاً ص ۹۳ (۱۲) ایضاً ۹۶

(۱۳) ''داستان پدماوت'' ملا عبدالشکور بزمی بہ کوشش ڈاکٹر امیر حسن عابدی ص ۱۷۸

(۱۴) '' پدماوت '' از ملک محمد جائسی۔ واسدیو شرن اگروال ص ۹۰۴

داستان کو تکمیل تک پہنچا کر جائسی لکھتے ہیں کہ یہ عشقیہ داستان خونِ جگر سے لکھی گئی ہے اس کے پڑھنے سے لوگوں کو عشق کے درد و غم کا اندازہ ہوگا۔ اور وہ لکھتے ہیں کہ میں نے اس لئے بھی یہ داستان لکھی ہے کہ شاید دُنیا میں یہ نشانی رہ جائے کیونکہ دُنیا کی ہر چیز فانی ہے مگر عشق باقی رہتا ہے جس طرح پھول مرجاتا ہے لیکن اس کی خوشبو باقی رہتی ہے۔ (۱)

جائسی کی اس تصنیف کے مقابلے میں بزمی کی تصنیف کی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔ جائسی کا اندازِ بیان جتنا دلکش اور پُر اثر ہے اتنا بزمی کا نہیں لیکن پھر بھی بزمی کی مثنوی "رت پدم" کی اہمیت اس وجہ سے مسلّم ہے کہ اس داستان کو فارسی ادبیات میں سب سے پہلے شامل کرنے کا شرف بزمی کو حاصل ہے۔ تقلید میں دوسرے شاعروں نے بھی فارسی میں اس داستان پر طبع آزمائی کی ہے۔ جیسے میر عسکری عاقل خاں رازی نے اس داستان کو سنہ ۱۰۶۹ھ میں منظوم فارسی میں لکھا ہے اور "شمع و پروانہ" نام رکھا۔ (۲) دوسری مثنوی بنام "پدماوت ذاکر" ہے جسے ذاکر نے سنہ ۱۲۲۲ھ میں نظم کیا۔ (۳) "بوستانِ سخن" کے نام سے ایک اور منظوم مثنوی ملتی ہے جس کا سنِ تصنیف سنہ ۱۲۲۳ھ ہے۔ (۴) فارسی نثر میں منشی آنند رام نے اس داستان کو سنہ ۱۱۵۲ھ میں لکھا اور اس کا نام "ہنگامۂ عشق" رکھا (۵) رای گوبند منشی نے بھی اس داستان کو فارسی نثر میں لکھا اور "تحفۃ القلوب" نام رکھا۔ (۶) ان کے علاوہ حُسن غازانہ حسام الدین بھی رام نواب ضیاء الدین احمد خاں حسین غزنوی اور سید محمد عشرتی نے بھی۔ (۷) اس داستان پر طبع آزمائی کی۔ فارسی و ہندی کے

---

(۱) "پدماوت" از ملک محمد جائسی بہ کوشش واسدیو شرن اگروال ص ۸۷۷

(۲) "داستان پدماوت" از ملا عبدالشکور بزمی بہ کوشش ڈاکٹر امیر حسن عابدی ص ۱۴

(۳) ایضاً ص ۲۰ (۴) ایضاً ص ۲۱ (۵) ایضاً ص ۲۲

(۶) ایضاً ص ۲۵ (۷) ایضاً ص ۲۶ (۱۰) ایضاً ص ۲۶

ناموں کے علاوہ داستان میں جزوی فرق بھی موجود ہے جیسے بارھویں سال میں قدم رکھتے ہی پدماوت کو راجہ نے [illegible] رہنے کو دیا (۱) جسے بزمی نے عصمتکدہ لکھا ہے۔ (۲) بزمی نے عمر کا بھی کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔

محل میں رہنے کے لئے سہیلیاں دی گئیں جو پدماوت کی دوست تھیں اور سب کی سب کنواری تھیں (۳)

جائسی نے طوطے کو "مہا پنڈت طوطا" لکھا ہے (۵)

جائسی نے لکھا ہے کہ پدماوتی کی سہیلیاں جیسی ہوئی ساریاں کنارے پر رکھ کر پدماوتی کے ساتھ مان سرور میں نہانے کے لئے داخل ہوگئیں۔ سرور کا پانی پدماوتی کے حسن سے مدہوش ہوگیا۔ سہیلیاں پانی میں کھیلنے لگیں ایک سہیلی کا ہار لاپتہ ہوگیا تو وہ رونے لگی دوسری سہیلیاں ہار تلاش کرنے لگیں پدماوتی نے بھی ان کا ساتھ دیا تو مان سرور نے کہا "جس کے لئے میں بے قرار تھا اسے آج میں نے پالیا ہے میرے دل کی آگ ٹھنڈی ہوئی ہے" اور ہار بھی مل گیا۔ (۶)

بزمی نے سہیلیوں کے کھیلنے اور ہار کے غائب ہونے کا ذکر نہیں کیا ہے۔

جائسی نے لکھا ہے کہ جب طوطا اڑ کر صحرا میں آگیا تو پرندوں نے اس کی بڑی خاطر کی اور اس نے دس دن وہاں بڑے سکون سے گزارا (۷) لیکن بزمی نے لکھا کہ صحرا میں بھی اسے پدم کی یاد آئی (۸) اور اس نے دن کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

---

(۱) "پدماوتی" از ملک محمد جائسی۔ واسدیو شرن اگروال ص ۹۳ (۲) داستان پدماوت "ملا عبدالشکور بزمی بہ کوشش ڈکٹر امیر حسن عابدی ص ۵۴ (۳) "پدماوت" از ملک محمد جائسی۔ واسدیو شرن اگروال ص ۹۳ (۴) داستان پدماوت" ملا عبدالشکور بزمی بہ کوشش ڈکٹر امیر حسن عابدی ص ۵۴ (۵) "پدماوت" از ملک محمد جائسی۔ واسدیو شرن اگروال ص ۹۳ (۶) ایضاً ص ۷۲ تا ۷۵ (۷) ایضاً ص ۷۹ (۸) "داستان پدماوت" از ملا عبدالشکور بزمی بہ کوشش ڈکٹر امیر حسن عابدی ص ۶۱

جائسی نے لکھا ہے کہ سہیلیوں نے طوطے کے اُڑ جانے پر پدماوتی کو بہت تسلی دی (۱) مگر بزمی نے لکھا ہے کہ وہ قفس کے پاس بیٹھ کر روتی رہی (۲) سہیلیوں نے ہمدردی کا اظہار نہیں کیا۔

جائسی نے طوطے کے اسیر ہونے کے سلسلے میں اس زمانے کے شکار کا طریقہ کا بھی ذکر کیا ہے کہ چڑیمار ایک بانس پر پانچ پھلوں کی شاخیں لگا کر انھیں گوند سے آلودہ کر کے جنگل میں لاتا تھا۔ پرندے جب پھل کھانے کے لئے بیٹھتے تھے تو گوند ان کے پروں سے چپک جاتا تھا۔ اس طرح پرندے اُڑنے سے مجبور ہو جاتے تھے اور چڑیمار ان کو پکڑ لیتا تھا (۳)۔ بزمی نے یہ طریقہ لکھا ہے کہ شکاری دانے ڈال کر دام پھیلاتا تھا جب پرندے دانے کے لالچ میں آکر اس پر بیٹھتے تھے تو خود ہی اسیر ہو جاتے تھے۔ (۴)

(۵) بزمی نے لکھا ہے کہ جس ٹوکرے میں شکاری نے طوطے کو اسیر کیا تھا اس میں ایک کوا تھا لیکن جائسی نے لکھا ہے کہ اس میں اور طوطے بھی اسیر تھے جو پکڑے جانے پر رو رہے تھے۔ پنڈت طوطے نے انھیں تسلی دی اور ان کی ہمت بندھائی (۶)

جائسی نے لکھا ہے کہ फठा-नर पुंनो کی کوئی ساعت تھی۔ (۷) جب پدماوتی غسل کے لئے گئی تھی بزمی نے اسے کسوفِ آفتاب کا دن لکھا ہے۔ (۸)

---

(۱) "پدماوت" از ملک محمد جائسی۔ واسدیو شرن اگروال ص ۵۷ (۲) "داستان پدماوت" از ملا عبدالشکور بزمی بہ کوشش ڈاکٹر امیر حسن عابدی ص ۶۰ (۳) "پدماوت" از ملک محمد جائسی۔ واسدیو شرن اگروال ص ۷۵ (۴) "داستان پدماوت" از ملا عبدالشکور بزمی بہ کوشش ڈاکٹر امیر حسن عابدی ص ۶۱ (۵) ایضاً ص ۶۱

(۶) "پدماوت" از ملک محمد جائسی بہ کوشش واسدیو شرن اگروال ص ۸۲

(۷) ایضاً ص ۹۸

(۸) "داستان پدماوت" از ملا عبدالشکور بزمی بہ کوشش ڈاکٹر امیر حسن عابدی ص ۵۰۸

جائسی نے لکھا ہے کہ چتوڑ گڑھ سے ایک بنجارا تجارت کی غرض سے سنگل دیپ کے لیے روانہ ہوا تو ایک غریب برہمن کسی سے تھوڑی رقم قرض لے کر اس کے ساتھ ہو لیا سنگل دیپ جا کر اس نے اس رقم سے طوطے کو خریدا۔(۱) بزمی نے چتوڑ گڑھ سے روانہ ہونے کا ذکر نہیں کیا بلکہ لکھا ہے کہ کچھ تاجر سنگل دیپ کے بازار میں خرید و فروخت کر رہے تھے ان کے درمیان ایک "بی مایہ" برہمن تھا جس نے اپنے پرانے دستار سے طوطے کو خریدا تھا۔(۲)

بزمی نے لکھا ہے کہ خاتونِ حرم نے دایہ پیر کے منع کرنے پر طوطے کو قتل نہیں کیا تھا اور اسے اپنے پاس پوشیدہ رکھا تھا(۳) لیکن جائسی نے لکھا ہے کہ ناگمتی نے اپنی داسی کو طوطے کو مار ڈالنے کا حکم دے دیا تھا لیکن داسی نے راجہ کے عتاب کے خوف سے اُسے نہیں مارا تھا۔(۴)

رتن سین جب سنگل دیپ سے روانہ ہوتا ہے تو طوطے کی رہنمائی میں مختلف مقامات سے گزرتا ہے۔ جائسی نے ان مقاموں اور راستوں کا ذکر اس طرح کیا ہے گویا وہ ان مقاموں پر گئے ہوں اور اُن راستوں سے گزرے ہوں جیسے:

फेर [illegible] । [illegible] ॥

[illegible] मिलोहि रहा [illegible] ॥

[illegible] । [illegible] ॥

[illegible] । [illegible] ॥

[illegible] और [illegible] । [illegible] ॥

[illegible] रहे [illegible] । [illegible] ॥(۵)

مزید لکھتے ہیں:

---

(۱) "پدماوت" از ملک محمد جائسی بہ کوشش واسدیو شرن اگروال ص ۸۴

(۲) "داستان پدماوت" از ملا عبدالشکور بزمی بہ کوشش ڈاکٹر امیر حسن عابدی ص ۶۳

(۳) ایضاً ص ۶۹ (۴) "پدماوت" از ملک محمد جائسی بہ کوشش واسدیو شرن اگروال - ص ۹۶ تا ۱۰۵ (۵) ایضاً ص ۱۰۵

आगे रतनपुर सौंह दुआरा।

झारखंड है बाँऊ पहारा।

आगे पाँऊ ओड़ैसा बाएँ देहु सो बाटा।

दहिना बल लइ कै उतरु समुंद्र के घाटा।

جائسی نے ان سات سمندروں کا ذکر بھی کیا جس سے رتن سین گزرا، اُن کے نام حسبِ ترتیب اس طرح سے ہیں:

क्षीर समुद्र! खार समुद्र! दधि समुद्र!

उदधि समुद्र! सुरा समुद्र! किलकिला समुद्र!

मानसर समुद्र!

بزمی نے کسی مقام کا نام نہیں دیا اور نہ ہی سمندروں کا ذکر کیا ہے اس نے فقط ایک "دریای پُر خطر" لکھا ہے (۳)

سنگل دیپ پہنچ کر رتن سین مندر میں گیا (جائسی نے مندر کی آرائش کا تفصیل سے ذکر کیا ہے) وہاں اس نے شیو دیوتا کی پوجا کی اور तपस्वी بن کر بیٹھ گیا اور پدماوتی جپنے لگا۔ رتن کی اس عبادت کا اثر پدماوتی پر بھی ہوا اور اس کا دل ہجر کی آگ سے تپنے لگا۔ تب ایک داسی نے اس کی حالت جان کر اسے تسلی دی۔ (۴)

جائسی نے لکھا ہے کہ پدماوتی وسنت پنچمی کے دن مندر میں گئی (۵) لیکن بزمی لکھتے ہیں

---

(۱) "پدماوت" از ملک محمد جائسی بہ کوشش واسدیو شرن اگروال ص ۱۵۶

(۲) ایضاً ص ۱۷۱ تا ۱۷۹

(۳) "داستان پدماوت" از ملا عبدالشکور بزمی بہ کوشش ڈاکٹر امیر حسن عابدی ص ۱۰۶

(۴) "پدماوت" از ملک محمد جائسی بہ کوشش واسدیو شرن اگروال ص ۱۶۰ تا ۱۷۷

(۵) ایضاً ص ۱۹۸

پرداخت بہ طرف گیت بہانہ   دل بست دلی بہ آں یگانہ (۱)

رتن سین پدماوتی کا دیدار کرتے ہی بے ہوش ہو گیا۔ جائسی نے لکھا ہے کہ پدماوتی نے اسے ہوش میں لانے کے لئے چندن کا لیپ کیا مگر اس پر کچھ اثر نہ ہوا تو وہ چندن سے اس کے دل پر یہ لکھ کر واپس چلی گئی کہ:

जोग आइ तब गा नै सोई ।
जैसे भुगुति परापति होई ।
अब जौ सूर अहै ससिराता ।
आइहि चढ़ि सो गगन पुनि साता ।

جائسی نے پدماوتی کے خواب کا ذکر کیا ہے (۳) جس کا حوالہ بزمی نے نہیں دیا۔ جائسی نے لکھا ہے کہ رتن سین کے عشق کی آگ اتنی شدید تھی کہ تمام دیوتا گھبرا گئے سب نے آکر اسے سمجھایا آخر میں شیو اور گنیش جی بھی آئے۔ رتن سین نے دیوتاؤں کا آشیرواد پا کر درویشوں کی مدد سے گڑھ گھیر لیا۔ (۴) بزمی نے لکھا ہے کہ ایک زاہد نے رتن کو سمجھایا اور اسے وصال کی خوشخبری دی۔ جیسے کسن کر اس نے گڑھ کو گھیرا تھا۔ (۵)

جائسی نے لکھا ہے کہ بھاٹ جو رتن سین کو سولی دینے جا رہے تھے در اصل ایک دیوتا تھے اور روپ بدل کر آئے تھے۔ انھوں نے رتن سین کی اصلیت سے بادشاہ کو آگاہ کیا

---

(۱) "داستان پدماوت" از ملا عبد الشکور بزمی بہ کوشش ڈاکٹر امیر حسن عابدی ص ۱۱۸

(۲) "پدماوت" از ملک محمد جائسی بہ کوشش واسدیو شرن اگروال ص ۲۵۶ تا ۲۷۵

(۳) ایضاً ص ۳۰۰ تا ۳۱۱

(۴) ایضاً ص ۳۱۸ تا ۳۴۱

(۵) "داستان پدماوت" از ملک محمد جائسی بہ کوشش واسدیو شرن اگروال ص ۲۸۴ تا ۲۹۰

تھا۔(۱) لیکن بزمی نے لکھا ہے کہ پدماوتی نے خود اپنے باپ سے جا کر بتایا کہ یہ کوئی گدا نہیں بلکہ چتوڑگڑھ کا بادشاہ ہے۔(۲)

محل کے جس حصے میں رتن سین اور پدماوتی کو بہ حیثیت دولہا دلہن رہنا تھا جائسی نے اسے धवल गृह لکھا ہے۔ اور اس کے سات حصوں کی آرائش و زیبائش کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔(۳) رتن سین اور پدماوتی کی عشقیہ گفتگو کا بھی مفصل ذکر کیا ہے۔(۴) اور رتن سین نے جو خوشی کا ایک سال سنگل دیپ میں گذارا اس کے ہر مہینے کا ذکر خوبصورت انداز میں کیا۔(۵) بزمی نے ان واقعات کو بیان کرنے میں نہایت اختصار سے کام لیا۔

جائسی نے رتن سین کی دوری اور جدائی میں ناگمتی پر جو کیفیت گذری اس کا المناک طریقہ سے ذکر کیا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے عشق کو عشق کامل کے رتبہ تک پہنچا دیا۔ ناگمتی غم میں رو رو کر اور ہجر میں تڑپ تڑپ کر کالی ہوگئی ہے اور ایک تولہ گوشت بھی اس کے جسم پر نہ رہا خون بالکل خشک ہو گیا جنگل میں وہ کویل کی طرح کہک کہک کر روئی۔ آخر کار ایک طوطے کو اس پر رحم آگیا اور وہ اس کا پیغام لے کر رتن کے پاس پہنچانے کے لئے سنگل دیپ روانہ ہوا۔(۶)

---

(۱) "پدماوت" از عبدالشکور بزمی بہ کوشش ڈاکٹر امیر حسن عابدی ص ۱۴۷

(۲) "داستان پدماوت" از عبدالشکور بزمی بہ کوشش ڈاکٹر امیر حسن عابدی ص ۱۵۴

(۳) "پدماوت" از ملک محمد جائسی بہ کوشش واسدیو شرن اگروال، ص ۳۲۵

(۴) "پدماوت" از ملک محمد جائسی بہ کوشش واسدیو شرن اگروال ص ۳۵۶ تا ۳۰۵

(۵) ایضاً ص ۴۰۰ تا ۴۱۱

(۶) ایضاً ص ۴۱۰ تا ۴۴۱

بزمی نے بعد کے واقعات میں خاتونِ حرم کا کوئی ذکر نہیں کیا بلکہ اس نے لکھا ہے کہ رتن سین نے ماں کا پیغام ایک کوے کے ذریعے پایا۔(۱)

جائسی نے لکھا ہے کہ چتوڑ گڑھ جاتے وقت جب سمندر میں طوفان آ گیا تو ان کی کشتی کا رخ لنکا کی طرف ہو گیا۔ راستے میں راکشس ملا جس کا ارادہ ڈوبتے ہوئے لوگوں کو کھانے کا تھا۔ اتفاق سے ایک راج پرند کی نظر راکشس پر پڑی تو وہ اسے اپنے جنگل میں پکڑ کر اڑ گیا۔(۲) بزمی نے اس واقعہ کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔

جائسی نے لکھا ہے کہ رتن سین نے چتوڑ پہنچ کر ناگمتی سے ملاقات کی اور اس کے ساتھ وقت گذارا تو پدماوتی کے دل میں حسد کا جذبہ پیدا ہوا۔ اس نے ناگمتی سے اپنے عشق کو زیادہ سوا بتایا اور ناگمتی نے اپنے عشق کو۔ اس پر دونوں میں جھگڑا ہو گیا تو راجہ رتن سین نے آ کر انھیں سمجھایا۔(۳) بزمی کے یہاں اس واقعہ کا کوئی وجود نہیں۔

بادشاہ علاؤالدین اور راجہ رتن سین کی جنگ کی تیاری دہلی سے بادشاہ علاؤالدین کی روانگی اور دونوں کا آٹھ سال تک مقابلہ جاری رکھنے کے بارے میں جائسی نے بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ بادشاہ علاؤالدین سے صلح ہو جانے پر راجہ رتن سین نے گڑھ کو کس خوبی سے سجایا اور پکوان نوائے ان کا ذکر بھی مفصل کیا ہے۔(۴) بزمی نے اختصار سے کام لیا ہے۔

گورا اور بادل جو راجہ رتن سین کے قریبی لوگوں میں سے تھے انھوں نے راجہ کو بتایا کہ بادشاہ

---

(۱) "داستان پدماوت" از ملا عبدالشکور بزمی بہ کوشش ڈاکٹر امیر حسن عابدی ص ۱۴۰

(۲) "پدماوت" از ملک محمد جائسی بہ کوشش واسدیو شرن اگروال ص ۳۸۱ تا ۴۰۹

(۳) ایضاً ص ۵۰۰ تا ۵۵۰

(۴) "پدماوت" از ملک محمد جائسی بہ کوشش واسدیو شرن اگروال ص ۶۲۹ تا ۷۰۲

اور یہ دوست ہے اندر سے ہمارا دشمن ہے لیکن راجہ نے ان کی بات نہ مانی (۱) بزمی نے لکھا ہے کہ گورا اور بادل رتن کے دو وزیر تھے۔ ان کا ذکر بزمی نے اس وقت کیا رتن علاؤ الدین بادشاہ کی قید میں تھا۔ (۲)

جائسی نے لکھا ہے کہ جس زمانے میں رتن سین بادشاہ علاؤ الدین کی قید میں تھا پدماوتی کے پاس دیپال کی جانب سے ایک عورت برہمنی کا بھیس بدل کر آئی اور پدماوتی کو حیلہ و بہانہ سے اپنے ساتھ لے جانا چاہا لیکن پدماوتی اس کے فریب میں نہیں آئی (۳) رتن سین جب بادشاہ کی قید سے نکل کر چتوڑ پہنچا تو پدماوتی نے اس سے یہ واقعہ سنایا۔ جسے سن کر راجہ رتن سین کو بہت غصہ آیا اور وہ فوراً دیوپال سے لڑنے کے لئے روانہ ہو گیا۔ دیوپال بھی مقابلہ کے لئے آ گیا۔ اس نے دیوپال سے کہا چونکہ یہ جھگڑا صرف میرا اور تمہارا ہے اس لئے میں تم سے مقابلہ کرنا چاہتا ہوں یہ کہہ کر اس نے زہر میں بجھا ہوا تیر مارا جو راجہ کے پیٹ میں لگا۔ راجہ نے بھی اس پر حملہ کیا اور سر دھڑ سے جدا کر دیا لیکن راجہ رتن سین بھی سخت زخمی ہو گیا تھا۔ راستے میں ہی اس نے جان دیدی (۴) ناگمتی اور پدماوتی دونوں رتن کے ساتھ ستی ہو گئیں (۵) بزمی نے لکھا ہے کہ رتن زخمی حالت میں قلعہ پہنچا اپنے بیٹے کو اپنا جانشین مقرر کیا اور پدماوتی کے سامنے جان دے دی۔ (۶) پدماوتی بھی اس کے ساتھ ستی ہو گئی۔ (۷)

---

(۱) ایضاً ص ۳۸ ۷	(۲) "داستان پدماوت" از ملا عبد الشکور بزمی بہ کوشش امیر حسن عابدی ص ۹-۲	(۳) "پدماوت" از ملک محمد جائسی بہ کوشش واسدیو شرن اگروال ص ۷۸۴ تا ۷۹۹

(۴) ایضاً ص ۸۷۰	(۵) ایضاً ص ۸۷۳

(۶) "داستان پدماوت" از ملا عبد الشکور بزمی بہ کوشش ڈاکٹر امیر حسن عابدی ص ۲۰۱

(۷) ایضاً ص ۲۲۱

ہوش سنبھالتے ہی میرے اندر جب سے مطالعہ (Study) کی شد بدھ ہوئی کشمیر جنت نظیر کے بارے میں بہت کچھ سنتا اور پڑھتا رہا، تاہم اس جنتِ ارضی کو دیکھنے کی نوبت ابھی نہیں آئی تھی، عربی کا مشہور مقولہ ہے کہ "لکل امر مرھون باوقاتھا" یعنی قدرت کے نظام میں ہر چیز کا ایک وقت مقرر رہے۔ چنانچہ.... کشمیر کا میرا حالیہ اور یادگار سفر دراصل قائد کشمیر جناب میر واعظ مولوی محمد فاروق کے حسنِ توجہ سے ہوا۔

میرے آبا حضور قبلہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور کشمیر کے ممتاز اور مشہور خاندانِ میر واعظ خاص طور سے دورِ حاضر کے میر واعظ مولوی محمد فاروق صاحب کے مابین نہ صرف قریبی روابط اور تعلقات تھے بلکہ اگر یوں کہوں کہ جانبین سے عقیدت ومحبت کا معاملہ تھا تو مبالغہ نہ ہوگا، اس کا سب سے بین ثبوت یہ ہے کہ جناب میر واعظ صاحب جب جب دہلی تشریف لاتے تو پہلی فرصت میں آبا حضور سے ملاقات، مختلف، ملی، دینی اور بسا اوقات سیاسی وعصری مسائل ومعاملات پر باہم تبادلۂ خیالات کرتے اور غریب خانہ پر ضرور تشریف لاتے، مفتی صاحب مرحوم نے بھی متعدد بار کشمیر کا سفر فرمایا تھا۔ اور سفر کے تاثرات ہمیشہ ہمیں سنا کر محظوظ فرماتے۔

یہ عجیب بات ہے کہ ادھر کچھ دنوں سے دل میں بار بار کشمیر جانے کا داعیہ پیدا ہو رہا تھا کہ اچانک جناب میر واعظ صاحب کے برادرِ عزیز مولوی محمد منظور احمد ایگزیکٹو انجینئر سرینگر کی شادی خانہ آبادی میں شرکت کی دعوت لے کر میر واعظ صاحب کے معتمد اور سفیر جناب مولانا محمد سعید الرحمٰن شمسی صاحب مدیر نصرۃ الاسلام بذاتِ خود دہلی آئے تھے۔ براہِ راست ۸ ستمبر بروز اتوار ۱۹۸۵ء کی دعوت دے گئے اور اصرار کیا کہ اس دفعہ کشمیر ضرور آجاؤں میں نے یہ موقع بہتر سمجھا اور اپنے رفیقِ سفر جناب فخر الدین اسسٹنٹ منیجر ماہنامہ برہان کے ہمراہ رختِ سفر باندھا۔

۵ ستمبر کی شام کو ٹھیک چار بجے بذریعہ شالیمار ایکسپریس نئی دہلی سے جموں توی کے لئے روانہ ہوگئے۔ برتھ پہلے سے ریزرو کروا رکھی تھی جس کی وجہ سے تھوڑی بہت سہولت رہی تاہم اس کا

اندازہ خوب ہوا کہ ماضی کی بہ نسبت اب ریزرویشن کی افادیت کم سے کم تر ہو رہی ہے۔ ٹرین کے عملے اور ٹی ٹی وغیرہ میں بھی زندگی کے عام شعبوں کی طرح رشوت ستانی کی وبا عام ہو رہی ہے۔ دو چار روپے لیکر غیر مستحق افراد کو بھی کمپارٹمنٹ میں اٹھا کر ... کر لیتے ہیں یہ صورت حال یقیناً عام مسافروں کے لئے تکلیف دہ ہے اور جس کا بظاہر کوئی حل نظر نہیں آتا۔ بہرحال دلی سے جموں تک رات بھر کا سفر کم و بیش آرام سے ہی کٹا۔ صبح آٹھ بجے جموں ریلوے اسٹیشن نے عام مسافروں کی طرح ہمارا استقبال کیا۔ ضروریات سے فراغت اور چائے نوشی کے بعد اگلی منزل کا سفر شروع ہو گیا۔ جموں ریلوے اسٹیشن پر ہی اسٹیٹ گورنمنٹ کی طرف سے بس سروس کا معقول نظم ہے جس کا سبب روزانہ کے مسافر کو جموں سے وادی کشمیر تک نقل و حمل میں سہولت رہتی ہے۔ پہلے درجہ کی بس کے دو ٹکٹ حاصل کئے اور بس میں سوار ہو گئے۔

جموں سے سری نگر کی مسافت تین سو کلومیٹر اور سفر تک بھگ بارہ گھنٹے کا ہوتا ہے۔ یہ سفر کس طرح کا تکلیف دہ، لذت انگیز اور مسرت خیز ہوتا ہے ممکن ہے ہمارے قارئین میں سے بہت سوں کو اس کا تجربہ ہو، لیکن چونکہ یہ میرا پہلا سفر تھا اور پورے راستہ میں چھوٹی بڑی ٹیڑھی ترچھی پہاڑیوں، اچھلتی کودتی ندیوں اور آبشاروں کا ایک لامتناہی سلسلہ نظر آرہا تھا ان قدرتی اور دلربا مناظر سے لطف اندوز ہوتا، راستہ میں مختلف مقامات پر اضطراری ضروریات کا پورا ہونا اور حسن اتفاق سے راستہ میں ایک جگہ جمعہ کی نماز کا مل جانا قدرت کی طرف سے ایک کرشمہ ہی کہیے، رات کے آٹھ بجے کشمیر کے دل "سری نگر" پہنچ گئے۔

گورنمنٹ سنٹر میں اتر کر ٹیکسی کیا، ٹیکسی ڈرائیور سے بات کرنے کے بعد اندازہ ہوا کہ کشمیر میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو میر واعظ کشمیر کی رہائش گاہ سے واقف نہ ہو مولانا کی رہائش گاہ "نگین باغ" پہنچ گئے (جہاں حال ہی میں میر واعظ نے جدید طرز کی ایک خوبصورت شہر کی ہما ہمی سے دور پُر سکون جگہ میں کوٹھی تعمیر کی ہے) وقت نو بجے سے اوپر کا تھا۔ کھانے کا دور تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ مہمانان کرام بھی اکثر گرامی ... ہو چکے تھے، میر واعظ صاحب بیٹھے

ہی بڑی محبت اور تپاک سے ملے۔ مزاج پرسی فرمائی اور فوراً دستر خوان لگوانے کا حکم دیا خالص کشمیری طرز کے پُر تکلف اور لذیذ کھانے سے (جسے وہاں کی اصطلاح میں "وازوان" کہتے ہیں) کام و دہن کو لذت اندوز کیا۔

قیام اور رہائش کے لئے قدیم آبائی اور تاریخی مکان میر واعظ منزل پر نظم کیا گیا، جہاں موصوف کی سیاسی پارٹی "آل جموں و کشمیر عوامی ایکشن کمیٹی" کا صدر دفتر، ماہنامہ نصرۃ الاسلام کا دفتر نیز رسالے کے ایڈیٹر جناب محمد سعید الرحمٰن شمس صاحب کا بھی قیام رہتا ہے، یہ قدیم اور وسیع عمارت خاندان میر واعظ کی طرح معروف ہے، میر واعظ صاحب نے اپنی کار کے لئے نگین سے میر واعظ منزل پہنچانے کا ڈرائیور کو حکم دیا اور جب تک کشمیر میں رہنا ہوا یہیں قیام رکھا۔ کشمیر کے چار روزہ قیام میں جن مشہور و معروف مقامات کے دیکھنے اور سیر و تفریح کا موقع ملا ان میں سب سے پہلے ریاست جموں و کشمیر کی قدیم و عظیم دانشگاہ انجمن نصرۃ الاسلام اور اس کے ماتحت چلنے والے اداروں میں اسلامیہ ہائی اسکول ہے۔

ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کے تعلیمی اداروں میں انجمن نصرۃ الاسلام سب سے قدیم اور زندہ ادارہ ہے جو انیسویں صدی کے اواخر میں خاندان میر واعظ کے ایک قابل فخر سپوت میر واعظ مولانا رسول شاہ صاحب مرحوم نے اس وقت کے حالات اور ملی تشخص کے بقا اور اپنی دینی انفرادیت کی بحالی کے پیش نظر قائم کیا تھا۔ اس وقت سے اب تک یہ بافیض ادارہ قوم و ملت کی علمی دینی، اصلاحی، ثقافتی اور سماجی خدمات انجام دینے میں مصروف رہا ہے۔ کم و بیش اپنے سو سالہ دور حیات میں انجمن نصرۃ الاسلام نے اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ تعلیم جدید اور عصری علوم کے پھیلانے میں جو شاندار کردار ادا کیا ہے وہ تاریخ کشمیر کا ایک شاندار باب ہے۔

انجمن کے موجودہ جواں سال صدر میر واعظ کشمیر مولوی فاروق صاحب ہی ہیں چنانچہ ایک موقع پر انجمن کی تعلیمی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

"نئی نسل کے دلوں کو دینیات و اخلاقیات اور قرآن و حدیث کے چشمۂ صافی سے منور کرنا اور ان کے دماغوں کو سائنس کے صیقل کیے ہوئے علوم جدیدہ کے چراغوں سے روشن کرنا انجمن نصرۃ الاسلام کی تعلیمی پالیسی کا بنیادی مقصد ہے۔"

چنانچہ ۷ستمبر کی صبح میں جب اسلامیہ ہائی اسکول کے وسیع احاطے میں داخل ہوا۔ ہزاروں بچے اور بچیاں صبح کی اسمبلی میں تھے، P ۴۰۰، میں مصروف تھے اور شعبہ اسلامیات و دینیات کے سربراہ مولانا محمد سعید الرحمٰن شمس بچوں سے اخلاقیات کے موضوع پر خطاب کر رہے تھے۔ موصوف نے میرا تعارف اساتذۂ کرام اور بچوں سے کرایا اور مجھے مائک پر اپنے خیالات کے اظہار کی دعوت دی، موقع کی مناسبت سے میں نے بچوں سے خطاب کیا۔ اپنی مختصر سی تقریر میں بچوں کو ان کے فرائض تعلیمی کاموں میں زیادہ سے زیادہ انہماک، اساتذہ کا ادب و احترام اور اپنے مشن کی تکمیل میں لگے رہنے کی تلقین کی اور شکریہ ادا کیا۔

دوسری قابل ذکر چیز جو میں نے دیکھی وہ کشمیر کی "جامع مسجد" ہے جس کا شمار دنیائے اسلام کی بڑی اور قدیم ترین مساجد میں ہوتا ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ دیکھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ مسجد کی وسعت، طرز تعمیر، خوبصورتی، موزونیت اور حسن و جمال نہ صرف قابل دید ہے بلکہ قابل حیرت اور سبق بھی۔ یہ عظیم جامع مسجد جس میں بیک وقت تینتیس ہزار ۳۳۰۰۰ افراد نماز ادا کر سکتے ہیں اپنی بلندی، کشادگی اور گلکاری میں لاجواب ہے۔

اسی جامع مسجد میں میر واعظان کشمیر اپنے منفرد انداز میں وعظ و تبلیغ اور درس و تدریس کے انداز میں عام مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح کرتے چلے آرہے ہیں۔ اس خاندان کے اثرات اور خدمات کے نقوش عام لوگوں میں نمایاں طور پر محسوس کیے جاسکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ کشمیر کی اکثریت کی وابستگی بلکہ گرویدگی میر واعظ خاندان کے ساتھ قابل دید ہے۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتیم، بات پر بات کہ یاد آتی ہے ایک اہم چیز جو میں نے اپنے مختصر سے قیام میں محسوس کی یہ ہے کہ کشمیر کے مسلمان سیاسی لحاظ سے جس پوزیشن میں بھی ہوں لیکن ان کی دینی

وابستگی، دین پسندی، شعائرِ اسلام سے تعلق اور اپنے ایمانی جذبہ کے لحاظ سے قابلِ صد احترام ہیں
۸ ستمبر کی شام کو میر واعظ صاحب کی طرف سے خاص احباب و مخلصین کشمیر کے سرکردہ افراد لیڈرانِ
قوم، ممبرانِ پارلیمنٹ، جج صاحبان، وکلاء، ڈاکٹرس، پروفیسرس اور انجینئرس وغیرہ کو ولیمہ پر
مدعو کیا گیا تھا اور اس موقع سے بڑی آسانی سے کشمیری سماج کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے
لوگوں سے بھرپور تعارف اور باہمی تبادلۂ خیالات کا موقع مل گیا، قابلِ ذکر افراد میں کشمیر یونیورسٹی
کے وائس چانسلر جناب پروفیسر شاہ منظور عالم صاحب، جناب عبدالغنی صاحب لون چیئرمین
پیوپلز کانفرنس، کشمیر کے ممتاز صحافی جناب صدرالدین مجاہد، جناب مرزا کمال الدین شیدا
جناب میاں جلال الدین صاحب سابق چیف جسٹس کشمیر، جناب مفتی جلال الدین صاحب صدر
مفتی جموں و کشمیر، جناب ڈاکٹر حبیب اللہ صاحب زرگر، جناب مولوی محمد جان صاحب
چیف انجینئر کشمیر، جناب مولوی محمد مشتاق صاحب ڈپٹی ڈائرکٹر ٹرانسپورٹ کشمیر، جناب
محمد امین صاحب واجدی سکریٹری جنرل جمیعۃ العلماء کشمیر، جناب سید غلام احمد صاحب کاملی
جنرل سکریٹری جمیعۃ تبلیغ الاسلام، جناب محمد یوسف صاحب مسعودی پرنسپل اسلامیہ ہائی
اسکول، جناب غلام رسول صاحب متو، ممبر پارلیمنٹ جناب قاضی عبدالرشید صاحب
سکریٹری انجمن اوقاف جامع مسجد کشمیر کے علاوہ متعدد ممتاز شخصیتوں کا بھی نیاز حاصل ہوا۔ اور میں
سمجھتا ہوں یہی چیز میرے سفر کی حاصل اور خلاصہ تھی۔

جناب عبدالرحمٰن کوندو کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے کئی خوبصورت مقامات مثلاً چشمہ شاہی
نشاط باغ، شالیمار باغ، جھیل ڈل، اور حضرت بل وغیرہ کی سیر و تفریح کرائی اور رہنمائی
فرمائی۔

میں نے محسوس کیا کہ کشمیر ظاہری لحاظ سے بھی خوبصورت اور باطنی اعتبار سے بھی حسین و
جمیل ہے، میرے نزدیک وادیٔ کشمیر کا حُسن و جمال حضرت انسان کی ہی بدولت ہے اور
بقول شخصے "کشمیر کے لوگ جتنے خوبصورت ہیں اُن کے دل اس سے کہیں زیادہ خوبصورت

ہیں۔ مجھے قدم قدم پر اپنائیت، محبت، ہمدردی، خلوص اور پیار ہی پیار کا اندازہ ہوا۔
۱۱ ستمبر کو بذریعہ طیارہ کشمیر سے میری روانگی ہوگئی۔ کشمیر سے بخیریت تمام دلی لوٹ آیا
ہوں، اب وہاں کی حسین اور دلفریب یادیں میری زندگی کے حسین لمحات میں شامل ہیں!!!

سرکشی ضلع بجنور

مصنفہ:۔ سرسید احمد خاں مرحوم

مُرتبہ:۔ شرافت حسین مرزا۔ دہلی یونیورسٹی

سرکشی ضلع بجنور سرسید احمد خاں کا تالیف کردہ تاریخی روزنامچہ ہے جس میں ضلع بجنور کے وہ حالات وواقعات درج کئے گئے ہیں جو ۱۸۵۷ء کی جدوجہد آزادی کے دوران پیش آئے تھے۔ یہ کتاب ضلع بجنور سے متعلق ایک اہم دستاویز ہے جس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے واضح ہے کہ اس کا مصنف ان واقعات کا عینی شاہد ہے۔

پورے ملک میں انگریزوں کے خلاف جو شکایات پیدا ہوگئی تھیں اُن سے چھٹکارا پانے کے لئے کس طرح ہندو اور مسلمان بلا اختلافِ مذہب وملت جدوجہد آزادی میں کود پڑے تھے۔ ضلع بجنور نے بھی اس میں پورا پورا حصہ لیا تھا سرسید احمد خاں نے ان واقعات کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ آزادی کی جدوجہد میں ضلع بجنور کے باشندوں کی کیا خدمات ہیں اور کس طرح پورے ملک کی طرح ناکامی سے دوچار ہوئے یہ سب داستان آپ کو اس کتاب میں ملے گی صفحات ۳۶۰ سائز $\frac{20\times30}{16}$ قیمت ۱۰/- روپے مجلد ۱۲/- روپے

منیجر ندوۃ المصنفین۔ اُردو بازار جامع مسجد دہلی

از قلم
مفتی محمد سلیمان ظفر القاسمی - انڈین انسٹی ٹیوٹ
آف اسلامک اسٹیڈیز نئی دہلی ۶۲-۱۱۰۰

طلاق کے استعمال کا طریقہ

از مولانا صغیر احمد رحمانی، تقطیع متوسط، ضخامت ۴۰ صفحات
پتہ: دار الاشاعت رحمانی مونگیر (بہار)

طلاق، مرد کو عطا کردہ ایک شرعی اختیار ہے جس کا استعمال بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے۔ طلاق کے ذریعہ وہ مقدس رشتہ ٹوٹ جاتا ہے جسے خدا کا نام لے کر قائم کیا گیا تھا اسی طرح طلاق کا استعمال ایک عظیم ذمہ داری بھی ہے اس کے استعمال سے پہلے ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہیے کہ اگر نباہ کی کوئی صورت نظر نہ آئے تو پھر بیوی کو طلاق دی جا سکتی ہے۔ یہ وہ شرعی ہدایتیں ہیں جو طلاق کے سلسلہ میں دی گئی ہیں۔

اس کتابچہ میں جامعہ رحمانیہ مونگیر کے فاضل استاد جناب مولانا صغیر احمد رحمانی صاحب نے اجمالی طور پر طریقہ طلاق بیان کیا ہے موصوف اگرچہ درس و تدریس کا کافی طویل تجربہ رکھتے ہیں اور اس کتابچہ سے اندازہ ہوا کہ حدیث و فقہ پر بھی مولانا کو درک حاصل ہے لیکن بعض مقامات پر موصوف نے طویل بحثوں کو بہت ہی اختصار کے ساتھ دیا ہے۔ اس لئے کافی تشنگی بعض علمی مباحث میں معلوم ہوئی، اور صفحہ ۳۲ پر موصوف نے طلاق دینے کا شرعی طریقہ بیان کیا ہے۔

"طلاق دو گواہوں کی موجودگی میں دی جائے"۔ جب کہ ہر انسان اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ طلاق انسان اکثر اوقات غصہ کی حالت میں دیتا ہے۔ اور اس حالت مذاکرہ میں یہ بات اکثر ناممکن ہوتی ہے کہ اس وقت گواہ موجود ہی ہوں اسی بنا پر فقہا کا کلیہ ہے۔

المرأۃ کالقاضی فی حقہا۔ "عورت اس معاملہ میں خود فیصلہ کرسکتی ہے اس حالت میں اگر شوہر طلاق کا منکر ہو اس لیے میں سمجھتا ہوں طلاق دینے کے وقت گواہوں کی موجودگی لازم قرار نہ پائے گی، اور رسالہ کے آخر میں تین طلاق کے مشہور مسئلہ کو بھی بیان کیا ہے لیکن ان مباحث کو بھی دیکھ کر تشنگی محسوس ہوتی ہے بہر کیف یہ کوشش قابل قدر ہے اور امید ہے کہ علمی حلقوں میں اس کی پذیرائی ہوگی۔

فرقہ وارانہ فسادات اور مسلمان

از مولانا جمیل احمد نذیری مبارکپوری　تقطیع متوسط ضخامت ۵۶ صفحات
قیمت دو روپیہ۔ پتہ مکتبہ الہدیٰ دار العلوم وارثیہ کاکوری۔ لکھنؤ یوپی۔

برصغیر ہند کی سب سے بڑی بدنصیبی یہی ہے کہ آزادی کی پہلی کرن کے ساتھ فرقہ پرستی کی دیرینہ بنیاد پر عظیم ہولناک فسادات کی جو ابتدا ہوئی تھی وہ آج بہت خطرناک صورت اختیار کرچکی ہے۔

ان ہی واضح حقیقتوں کی طرف جناب مولانا جمیل احمد نذیری صاحب نے توجہ دلائی ہے، زیر تبصرہ کتابچہ ہمارے خیال میں وقت کی اہم ضرورت کی تکمیل ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان بیدار ہوں اور تمدنی تہذیبی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ ہوں اور علماء بھی اپنی شرعی ذمہ داریاں پوری کریں جو بحیثیت ایک رہنما کے ان پر عائد ہوتی ہیں، عوام کو خود اس طرح اپنے حالات کا جائزہ لینا چاہیے کہ برادران وطن ان کے قریب آکر مؤانست و ہمدردی حاصل کرسکیں لیکن یہ باتیں انتہائی دلچسپی ہیں عام طور پر مسلمان سیاسی بصیرت سے عاری ہونے کی بنا پر اپنے لیے صحیح راہ کی بھی بچاؤ نہیں کر پاتے۔

دراصل بات یہ ہے کہ فسادات عام طور پر جہاں پر بھی رونما ہوئے جہاں اس

میں فرقہ پرستی کی لعنت شامل ہوتی ہے اس کے ساتھ عام طور پر اس کی بنیاد اگرچہ مقامی حادثات وواقعات ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ بے بنیاد خبروں کی بناء پر بھی بڑے بڑے فساد جنم لے لیتے ہیں، اس لئے ارباب حکومت کو اس بات کا جائزہ لینا چاہیئے۔ فرقہ وارانہ فسادات کی اصل بنیاد کیا ہے؟ میں سمجھتا ہوں اس کی اصل وجہ ہمارا نصاب تعلیم ہے جو کہ اسکول میں بچے کو شروع ہی سے گمراہی کے راستے پر ڈال دیتا ہے اس لئے ضروری ہے اس کا بھرپور جائزہ لیا جائے۔

نذیری صاحب نے بہت خوبصورتی کے ساتھ ان تمام اسباب کا جائزہ لیا ہے جو ہماری زندگی میں پیش آتے ہیں اور مختلف طریقوں سے ان تمام مسائل کے حل کی طرف دلائی ہے جو ان فسادات کے سدباب کے لئے ضروری ہے۔

زیر نظر کتاب نذیری صاحب کی ایک قابل قدر کوشش ہے اس لئے کتاب یہ قابل مطالعہ ہے۔ آٹھویں لوک سبھا کے نئے معمار ہمارے جواں سال وزیر اعظم راجیو گاندھی سے ہمیں پوری امید ہے کہ وہ اکیسویں صدی کے نئے ہندوستان کی تعمیر ان بنیادوں پر کریں گے جس میں ایک مدت سے پھیلی ہوئی فرقہ پرستی کا سدباب ہوگا اور پھر ہم ایک نئے دور کا آغاز دیکھ سکیں۔

(م ریس بیگ۔ ف مدد)

استدراک

راقم الحروف کسی رسالہ یا اخبار میں اپنا کوئی مضمون بغرض اشاعت بھیجتا ہے تو مضمون کی پیشانی پر یہ نوٹ ضرور لکھ دیتا ہے "کاتب صاحب میرے املا اور رسم الخط کی پابندی کریں"۔ کاتب حضرات کافی حد تک اس کا خیال رکھتے ہیں لیکن پھر بھی اس کی خلاف ورزی ہو ہی جاتی ہے۔ اور اس کا سبب ہے کچھ تو پرانی عادات اور کچھ کم علمی اور کچھ جدت پسندی۔ اور تعمیم کا تو اخبارات و

رسائل میں رواج ہی نہیں ہے۔ کتابت کی غلطیوں کا تو کوئی حساب ہی نہیں۔

میرا مقالہ "تنقید صحت الفاظ" رسالہ برہان میں چار قسطوں میں شائع ہوا ہے۔ (جون، جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۸۵ء) اس میں سہو کتابت کے علاوہ بعض ایسی غلطیاں ہیں جو مضمون کے مقصود و منشا کے خلاف ہیں۔ ان کی نشاندہی ضروری ہے پہلے غلط اس کے بعد صحیح لفظ لکھ رہا ہوں۔

قسط اوّل جون ۱۹۸۵ء

ص۲۱ س۱ کنامیۃً، کنایۃً — ص۲۲ س۱۹ عرض الیار، عرض البلد — ص۲۳ س۵ لیے، لیے — ص۲۳ س۶ پیالہ لکھنا، پیالا لکھنا — ص۲۶ س۱۴ براعت، براءت — ص۲۷ س۷ یارنگستان، یہ ریگستان — ص۲۹ س۱۹ نشراد، نژاد —

قسط دوم جولائی ۱۹۸۵ء

ص۲۱ س۱۴ ورنہ، ورثہ

قسط سوم اگست ۱۹۸۵ء

ص۹ س۲۳ نختۃً، لغۃً — ص۱۰ س۶، ۱۴، ۲۲ لغۃً، لغۃً — ص۱۱ س۱ اور روات واردات — ص۱۳ س۲ دونوں سمجھیں تلفظ کو، دونوں میں تلفظ کو سمجھنے کی — ص۱۷ س۲۲ داقعۃً، واقعۃً — ص۱۸ س۳ ہی، بھی — ص۱۸ س۷ عادتۃً، عادتاً — ص۱۸ س۱۹ نسبۃً، نسبتاً —

قسط چہارم ستمبر ۱۹۸۵ء

ص۱۴ س۱۹ شبیر اور تیز، شبیر اور تیز — ص۱۴ س۱۵ بامعاون، بامعان — ص۱۷ س۱۴ سمجھاو، سمجھاکر — ص۱۷ س۱۶ سمجھاے، سمجھائے —

ایسی غلطیاں جو پڑھنے کے دوران خود بخود معلوم ہو جاتی ہیں ان کو نظر انداز کر دیا ہے

حفیظ الرحمان واصف

۱۹۵۴ء — حیاتِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ العلم والعلماء۔ اسلام کا نظامِ عفت و عصمت۔
تاریخِ صقلیہ۔ تاریخِ ملت جلد ہفتم

۱۹۵۵ء — اسلام کا زرعی نظام، تاریخِ ادبیاتِ ایران، تاریخِ علمِ فقہ، تاریخِ ملت حصہ دہم سلاطینِ ہند،
تذکرہ علامہ محمد بن طاہر محدث پٹنی

۱۹۵۶ء — ترجمان السنہ جلد ثالث۔ اسلام کا نظامِ حکومت (طبع جدید مع ترتیب جدید)، جدید بین الاقوامی
سیاسی معلومات جلد دوم، خلفائے راشدین اور اہلِ بیتِ کرام کے باہمی تعلقات

۱۹۵۷ء — لغات القرآن جلد پنجم، صدیقِ اکبر، تاریخِ ملت حصہ یازدہم سلاطینِ ہند دوم، انقلاب سے پہلے روس اور روس انقلاب کے بعد

۱۹۵۸ء — لغات القرآن جلد ششم، سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات، تاریخِ گجرات، جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد سوم

۱۹۵۹ء — حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط، ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء، [illegible]

۱۹۶۰ء — تفسیرِ مظہری اردو پارہ ۲۹، ۳۰۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سرکاری خطوط
امام غزالی کا فلسفۂ مذہب و اخلاق۔ عروج و زوال کا الٰہی نظام۔

۱۹۶۱ء — تفسیرِ مظہری اردو جلد اول، مرزا مظہر جانِ جاناں کے خطوط، اسلامی کتب خانے، [illegible]
تاریخِ ہند پر نئی روشنی

۱۹۶۲ء — تفسیرِ مظہری اردو جلد دوم۔ اسلامی دنیا دسویں صدی عیسوی میں۔ معارف الآثار۔
نیل سے فرات تک۔

۱۹۶۳ء — تفسیرِ مظہری اردو جلد سوم۔ تاریخِ ردہ، سرگذشت ضلع بجنور۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی اول

۱۹۶۴ء — تفسیرِ مظہری اردو جلد چہارم۔ حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط، عرب و ہند عہدِ رسالت میں
ہندوستان شاہانِ مغلیہ کے عہد میں۔

۱۹۶۵ء — ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت جلد اول۔ تاریخی مقالات
لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر، ایشیا میں آخری نوآبادیات

۱۹۶۶ء — تفسیرِ مظہری اردو جلد پنجم، میرِ عشق، خواجہ بندہ نواز کا تصوف و سلوک۔
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں۔

۱۹۶۷ء — ترجمان السنہ جلد چہارم، تفسیرِ مظہری اردو جلد ششم، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ

۱۹۶۸ء — تفسیرِ مظہری اردو جلد ہفتم، تین تذکرے۔ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات۔
اسلامی ہند کی عظمتِ رفتہ۔

۱۹۶۹ء — تفسیرِ مظہری اردو جلد ہشتم، تاریخ الفخری، حیاتِ ذاکر حسین، دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر

۱۹۷۰ء — حیاتِ عبدالحئی، تفسیرِ مظہری اردو جلد نہم، مآثر و معارف، احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت

۱۹۷۱ء — تفسیرِ مظہری اردو جلد دہم، بیماری اور اس کا روحانی علاج، خلافتِ راشدہ اور ہندوستان۔

۱۹۷۲ء — فقہِ اسلامی کا تاریخی پس منظر، انتخاب الترغیب والترہیب، اخبار التنزیل،
عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان

D. (DN) 231 PHONE : 262815 DECEMBER 1985
i—57 Subs. 40/- Per Copy Rs. 3-50

BURHAN (Monthly)

4136, Urdu Bazar, Jama Masjid, Delhi-110006.

عبدالرحمن عثمانی پرنٹر پبلشر نے دہلی پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کراکر دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی سے شائع کیا۔